لیڈروں نے اپنے کچھ آدمیوں کو اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ پہلے اپنے ایمان و اسلام کا اظہار و اعلان کر کے مسلمانوں کے اندر شامل ہوں، پھر اسلام کی کچھ خرابیوں کا اظہار کر کے اس سے علیحدگی اختیار کر لیا کریں۔ اس کا فائدہ انھوں نے ایک تو یہ سوچا ہو گا کہ اس طرح بہت سے جدید العہد مسلمانوں کا اعتماد اسلام پر سے متزلزل ہو جائے گا، وہ یہ سوچنے لگیں گے کہ فی الواقع اسلام میں کوئی خرابی ہے جس کے سبب سے یہ پڑھے لکھے لوگ اسلام کے قریب آ کر اس سے بدک جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس تدبیر سے وہ خود اپنی قوم کے عوام کو اسلام کے اثر سے بچا لے جائیں گے، جب وہ یہ دیکھیں گے کہ ان کی اپنی قوم کے کچھ پڑھے لکھے لوگ اسلام کو آزما کر چھوڑ چکے ہیں تو ان کی وہ رغبت کمزور ہو جائے گی جو اسلام اور مسلمانوں کی کشش کے سبب سے ان کے اندر اسلام میں داخل ہونے کے لیے پیدا ہوتی تھی۔

اس سازش کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہود نے جب بھی کسی ملت کو اپنا نشانہ بنایا ہے اس کے لیے تدبیر یہی اختیار کی ہے کہ اس کے اندر گھس کر اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ دین مسیحی کو بگاڑنے کے لیے پال نے جو کامیاب کوشش کی وہ مذاہب کی تاریخ کی ایک نہایت درد انگیز داستان ہے۔ پھر مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو مسخ کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ دونوں نے جو فتنے خود ہمارے کتب خانوں میں بیٹھ کر ہمدردانہ بھیس میں اٹھائے ہیں، وہ بھی کوئی مخفی چیز نہیں ہے۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم یہاں بعض حقائق کی طرف اشارہ کرتے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۷۳-۷۴)

اسلوب کی بعض مشکلات

اس آیت کی تشریح و تفسیر میں ہمارے ارباب تاویل کو بڑا اضطراب پیش آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اسلوب کی بعض مشکلیں ہیں۔ ہم پہلے ان اسلوبوں کی وضاحت کریں گے اس کے بعد آیت کی صحیح تاویل بیان کریں گے۔

اس میں پہلی سمجھنے کی چیز قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ (کہہ دو کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے) کے ٹکڑے کا جملہ کے اندر مقام ہے۔ یہ ٹکڑا در اصل سلسلۂ کلام کا جزو نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک جملہ معترضہ کی ہے۔ یعنی سلسلۂ کلام کے بیچ میں مخاطب کی ایک غلط بات کی برسر موقع تردید فرما دی گئی ہے۔ اصل سلسلۂ کلام یوں ہے کہ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ الآیۃ یہود جن لوگوں کو سکھا پڑھا کر مذکورہ بالا سازش کے لیے مسلمانوں کے اندر بھیجتے تھے ان کو پورے اہتمام کے ساتھ یہ تاکید بھی کر دیتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلام کا اظہار تو کرو لیکن بات بہرحال ماننی اپنے ہی لوگوں کی ہے، اپنے دائرہ سے باہر کسی کی بات ماننا ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔ یہ بات چونکہ یہود کی

تمام گمراہیوں کی جڑ تھی اس وجہ سے قرآن نے بالکل برسر موقع اس پر ٹوک دیا کہ یہ کیا اندھا بہرا گروہی تعصب ہے جس میں یہ مبتلا ہیں، ان سے کہو کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے جس کی ان کو پیروی کرنی چاہیے، خواہ وہ کسی اسرائیلی پیغمبر کے ذریعہ سے ملے یا کسی اسماعیلی پیغمبر کے واسطہ سے۔ نجات کے حصول کا ذریعہ تو خدا کی ہدایت کی پیروی ہے نہ کہ یہودیت و نصرانیت۔ یہ بات چونکہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں پوری وضاحت سے بیان ہو چکی ہے، نیز آگے کی سورتوں میں بھی اس کی طرف اشارات آئیں گے اس وجہ سے یہاں اس کے شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری چیز اس آیت میں یہ سمجھنے کی ہے کہ 'اَنْ' سے پہلے عربی زبان میں بعض اوقات لفظ مخافۃ یا اس کے کوئی ہم معنی لفظ محذوف ہو جاتا ہے۔ اس حذف کی مثالیں کلام عرب میں بھی موجود ہیں اور قرآن میں بھی۔ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نظائر اپنی کتاب اسالیب القرآن میں جمع کر دیے ہیں۔ ہم بھی اپنی اس تفسیر میں جگہ جگہ اس کو واضح کر رہے ہیں۔

یہود کے دل کا ایک چور

اس اسلوب کو ذہن میں رکھنے کے بعد آیت سے مذکورہ بالا جملہ معترضہ کو الگ کر کے اگر اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ کو وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کے ٹکڑے سے ملایئے تو معلوم ہو گا کہ یہ درحقیقت ان کے اس باطنی محرک پر روشنی ڈالی جا رہی ہے جس کے تحت وہ اپنے آدمیوں کو بڑے شدومد کے ساتھ یہ سبق پڑھاتے تھے کہ وہ کسی حال میں بھی کسی غیر اسرائیلی نبی کے دعوے کی صداقت تسلیم نہ کریں۔ یہ باطنی محرک یہ ہے کہ ان کے دل میں یہ چور تھا کہ کہیں اس طرح کی دینی سیادت و پیشوائی نبی اسماعیل کو بھی حاصل نہ ہو جائے جس طرح کی سیادت اب تک صرف ان کو حاصل رہی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی دل میں تھا کہ اگر ہماری طرف سے کوئی اعتراف اس دین اور اس نبی کے حق میں زبان سے نکل گیا تو مسلمان اس کو قیامت کے دن ہمارے خلاف حجت بنائیں گے کہ ہم نے حق واضح ہونے کے باوجود اس کی تکذیب کی۔ قرآن نے ان کے دل کے اس چور کو ایک دوسرے مقام میں بھی پکڑا ہے جہاں یہ واضح فرمایا ہے کہ یہود اپنے لوگوں کو اس بات کی سخت تاکید کرتے رہتے تھے کہ آخری نبی اور آخری دین کے باب میں تورات کے کسی اشارے کو مسلمانوں پر نہ کھولا جائے ورنہ وہ اس چیز کو قیامت کے روز ان کے خلاف دلیل بنائیں گے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا	اور جب یہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی
اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ	ایمان لائے ہوئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے
اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ	سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں بتاتے
بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ	ہو جو اللہ نے تمہارے اوپر کھولی ہیں تاکہ مسلمان ان
لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ	کی بنا پر تمہارے رب کے سامنے تمھیں قائل کریں کیا

رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○	تم لوگ یہ بات نہیں سمجھتے؟ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ ان کی اس بات کو بھی جانتا ہے جو آپس میں
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا	رازدارانہ طور پر کہتے ہیں اور اس بات کو بھی جانتا
يُعْلِنُوْنَ ○ (۷۶-۷۷، بقرہ)	ہے جو وہ مسلمانوں سے علانیہ کہتے ہیں۔

ان دونوں اسلوبوں کے واضح ہو جانے کے بعد اب آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یہود کے علماء و لیڈروں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی قوم کے اندر اس تعصب کی آگ بھڑکا رہے ہو کہ کسی اسرائیلی کے لیے کسی غیر اسرائیلی کی نبوت کی تصدیق جائز نہیں۔ حالانکہ یہ بات محض حماقت اور تنگ نظری پر مبنی ہے۔ اصل شے تو خدا کی ہدایت ہے جس کا تمھیں طالب ہونا چاہیے۔ خواہ وہ بنی اسرائیل کے کسی شخص پر نازل ہو یا بنی اسماعیل کے۔ تمہارا یہ تعصب حق کی عصبیت و حمیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض خوف و حسد کا نتیجہ ہے۔ تم ڈرتے ہو کہ مبادا وہ سیادت و پیشوائی جو اب تک صرف تمھیں حاصل رہی ہے کسی دوسرے کو حاصل ہو جائے۔ آیت میں اَحَدٌ کا لفظ ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ یہاں اس اَحَدٌ کا اشارہ بنی اسماعیل ہی کی طرف ہے جن کے اندر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔ چونکہ یہاں بنی اسرائیل کے دل کے ایک راز کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اس وجہ سے قرآن نے اس کو مبہم ہی رکھا ہے۔ اَوْ يُحَاجُّوْكُمْ سے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، ان کے اس اندیشے کی طرف اشارہ ہے کہ اگر آج اسلام اور پیغمبر اسلام کے حق میں ان کے کسی آدمی کی زبان سے کوئی بات نکل گئی تو اس کو قیامت کے دن مسلمان ان کے خلاف حجت بنائیں گے۔

قرآن نے اس پر فرمایا کہ اپنی جس سیادت و پیشوائی کو بچانے کے لیے تم یہ جتن کر رہے ہو، یہ تمھارے اختیار کی بات نہیں ہے۔ عزت و فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہے بخشتا ہے اور جس سے چاہے چھینتا ہے۔ اسی نے تم کو یہ عزت بخشی تھی اور اب وہی اگر اس کے لیے کسی دوسرے کو منتخب کر رہا ہے تو تم اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے۔ اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اَللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کو تمھارے تنگ پیمانوں سے ناپ کر نہیں دیتا جن میں تمھارے سوا کسی اور کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ وہ بڑی سمائی رکھنے والی ہستی ہے اور اس کا ہر فیصلہ علم و خبر پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ الآیہ میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک تو اس بات کی طرف کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ایک عظیم اور بے پایاں برکت و رحمت ہے۔ دوسری اس بات کی طرف کہ یہ بنی اسماعیل پر اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ہے کہ اس نے ان کے خاندان کو اس عظیم اور عالم گیر برکت کے ظہور کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے لازمی نتیجہ کے طور پر دو باتیں نکلتی ہیں (۱) ایک یہ کہ بنی اسماعیل پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام کی قدر کریں اور اس کے شکر گزار رہیں۔ دوسری یہ کہ بنی اسرائیل کے غصہ

اور حسد کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم برکت سے امیوں کو نوازا۔ وہ جس کو چاہے اپنی رحمت کے لیے خاص کرنے، اس کی مشیت میں خود اس کی حکمت کے سوا اور کسی کو بھی دخل نہیں ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۷۵)

اُمّیّن سے مراد اور سبیل کا مفہوم

'اُمّیّٖن' سے مراد بنی اسماعیل ہیں۔ اس لفظ پر مفصل بحث ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ 'سَبِیْل' کے معنی یہاں الزام اور مواخذہ کے ہیں۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ یعنی امیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں۔

یہود کا ایک من گھڑت فتویٰ

یہ قرآن نے امیین سے متعلق بنی اسرائیل کے ذہن اور ان کے مجموعی کردار کو واضح کیا ہے کہ وہ ان کی امانتوں میں خیانت کرنے اور ان کے مال کو ہڑپ کر جانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے بلکہ اس کو اپنی دینداری کا حق سمجھتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ تورات میں غصب، خیانت اور سود خواری وغیرہ کی جو ممانعت وارد ہے اس کا تعلق غیر قوموں خصوصاً کافر قوموں سے نہیں ہے۔ اپنے اس من گھڑت شرعی فتوے کے تحت انھوں نے دوسری قوموں سے ہر قسم کی بدمعاملگی جائز کر لی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ عرب بنی اسماعیل کو بھی اسی فہرست میں داخل کرتے تھے اس وجہ سے ان کے مال کو بھی خیانت، بدعہدی یا سود وغیرہ کی راہ سے ہڑپ کرنا ان کے نزدیک کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں تھی۔ اہلِ عرب، یہودی سود خواروں اور مہاجنوں کے پاس اگر کوئی چیز بطور امانت یا رہن رکھتے تو بڑا ہی کوئی قسمت والا ہوتا جو ان کے حلق سے اپنا مال نکالنے میں کامیاب ہوتا۔ وہ اس کو دبا بیٹھتے اور اپنے اس فعل کو ثواب ثابت کرنے کے لیے انھوں نے اپنے مولویوں سے فتوے بھی حاصل کر رکھے تھے کہ کافروں کا مال ہڑپ کر جانے میں کوئی عیب نہیں ہے۔

قرآن نے ان کا یہ کردار نمایاں کرنے کے لیے واضح کیا ہے کہ جو تمھاری چند ٹکوں کی امانت واپس کرنے میں یہ لیت و لعل کرتے ہیں اور اس کے لیے انھوں نے اس اہتمام سے شرعی حیلے ایجاد کر رکھے ہیں ان سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمھارے نبی اور تمھارے مذہب و شریعت کے بارے میں یہ پچھلے نبیوں کی جن پیشین گوئیوں کے امین بنائے گئے تھے ان کو وہ آسانی سے ادا کریں گے اور خلق کے سامنے ان کی شہادت دینے کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔ جو لوگ دنیا کی نہایت حقیر چیزوں میں خائن ہیں وہ اتنی بڑی امانت ادا کرنے کے لیے دل گردہ کہاں سے لائیں گے!

لیکن یہود جیسی ذلیل قوم کے اس کردار کو بیان کرتے ہوئے بھی قرآن نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، بلکہ ان میں جو اچھے کردار کے لوگ تھے ان کے کردار کی اچھائی کی داد دی بلکہ پہلے انھی کا ذکر

کیا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ اس میدان میں اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہی لوگ تھے جو بعد میں اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ، یہ ان کے اس من گھڑت اور خانہ ساز فتوے کی تردید کی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا، کہ امیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اخلاق و شریعت کی پابندیوں سے بری ہیں۔ یہ اللہ اور شریعت پر ان کا بہتان تھا اور اس کے خلافِ شریعت ہونے سے وہ خود بھی واقف تھے لیکن محض اپنی خواہشات کی پیروی اور حرصِ دنیا میں انھوں نے اس قسم کے حیلے ایجاد کر لیے تھے۔ بعد میں یہی فتوے تحریف کی راہ سے تورات میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب اگر کوئی تورات کو پڑھے تو وہ عام اخلاق و انسانی حقوق و معاملات میں بھی محسوس کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے شریعت کچھ اور ہے اور غیر بنی اسرائیل کے لیے، جن کو تورات میں اجنبیوں اور پردیسیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، کچھ اور۔

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۷۶)

اس آیت میں اور اس اسلوب پر مبنی بھی آیات ہیں سب میں جواب شرط محذوف ہوتا ہے۔ اس کی بعض مثالیں سورۂ بقرہ میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہاں اگر جواب شرط کو واضح کیا جائے تو پوری بات یوں ہو گی کہ ہاں جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کریں اور حدود الٰہی کی حفاظت کریں تو وہ لوگ متقی ہیں اور اللہ متقین ہی کو دوست رکھتا ہے۔

اوپر والی باتوں پر استدراک

یہ آیت یہود کی اوپر والی باتوں پر استدراک کی حیثیت رکھتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ان کے لیے خدا کے ہاں کوئی خاص مرتبہ و مقام ہے جس کے سبب سے وہ دوسروں سے بالاتر اور امیوں کے معاملے میں ذمہ داریوں سے بری ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ کے ہاں جو مرتبہ و مقام بھی ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کریں اور ہر طرح کے حالات میں اس عہد کے تحت قائم کردہ حدود کی نگہداشت کریں۔ جن لوگوں کی روش یہ ہو گی وہ اللہ کے نزدیک متقی ہیں اور اللہ ایسے ہی متقی بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ خدا کے عہد اور اس کے حدود کو توڑنے میں بے باک ہیں اور اس کے باوجود تقویٰ اور محبوبِ الٰہی ہونے کے مدعی ہیں وہ محض خیالی پلاؤ پکا رہے ہیں۔

عام طور پر مترجمین قرآن نے أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ کا ترجمہ "اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں" کیا ہے۔ میرے نزدیک ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ قرآن کے نظائر سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ آگے والی آیت ملاحظہ ہو۔ ابن جریر نے بھی یہی تاویل کی ہے۔

۱۹۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۷۷-۸۰

آگے کی آیات میں پہلے تو اہل کتاب کی اس عہد شکنی بلکہ عہد فروشی پر عتاب ہے جس کا ذکر اوپر

ہوا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے ان کو اپنے کلام و پیام سے نوازا، ان کے لیے تعلیم و تزکیہ کا اہتمام فرمایا اور ان کو اپنی نگاہِ لطف و کرم سے مشرف کیا لیکن انھوں نے دنیا کے حقیر مفادات کے بدلے میں اللہ کے عہد کو فروخت کیا اور اس کی بے پایاں عنایات کی نہایت بے دردی کے ساتھ ناقدری کی اس وجہ سے اب آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔

پھر ان کی بعض تحریفی کوششوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ نے جو کتاب انھیں ہدایت و رہنمائی کے لیے عطا فرمائی، انھوں نے اس میں توڑ موڑ اور لچک پچکا کر اس غرض کے لیے تصرفات کیے کہ جو چیز اللہ کی کتاب کی نہیں تھی وہ کتاب کی سمجھی جائے۔

پھر اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کو دعوت دی ہے کہ وہ عقلِ سلیم کی روشنی میں غور کریں کہ آج جن باتوں کو وہ مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ باتیں وہ کتاب و حکمت اور نبوت کے حامل ہوتے ہوئے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔ ارشاد ہے۔

آیات ۷۷-۸۰

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ

ع ۱۶

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمۂ آیات ۷۷-۸۰

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو ایک حقیر قیمت کے عوض بیچتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ نہ ان سے بات کرے گا، نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ۷۷

اور ان میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنی زبان کو کتابِ الٰہی کے ساتھ توڑتا موڑتا ہے تاکہ تم اس کو کتابِ الٰہی کا ایک حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتابِ الٰہی کا حصہ نہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے۔ وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔ ۷۸

کسی بشر کی شان نہیں کہ اللہ اس کو کتاب، قوتِ فیصلہ اور منصبِ نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں کو یہ دعوت دے کہ لوگو! اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو لوگوں کو یہی دعوت دے گا کہ لوگو! اللہ والے بنو، بوجہ اس کے کہ تم کتابِ الٰہی کی دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اس کو پڑھتے ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ تمھیں یہ حکم دے کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم خدا کے فرمانبردار ہو؟ ۷۹-۸۰

۲۰۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۷۷)

اشتراء کا مفہوم

'اشتراء' کے لفظ پر سورہ بقرہ کی تفسیر میں بحث گزر چکی ہے۔ جب مبادلہ چیز کا چیز سے ہو، جس کا عموماً قدیم زمانہ میں رواج تھا تو ہر شے مبیع بھی ہو سکتی ہے اور ثمن بھی۔ اس وجہ سے کسی شے کا اشتراء درحقیقت اس مفہوم میں خریدنا نہیں ہوتا تھا جس مفہوم میں ہم خریدنا بولتے ہیں بلکہ اس کا مفہوم مبادلہ ہوتا

تھا۔ اس وجہ سے 'اشتراء' کا لفظ بدلنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور پھر اس مفہوم سے ترقی کر کے ترجیح دینے کے معنی میں بھی۔

'عہد اللہ' سے مراد

'عَھْدَ اللّٰہِ' سے مراد کتاب و شریعت ہے اس لیے کہ کتاب و شریعت کی حیثیت اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان معاہدے کی ہوتی ہے۔ یہاں اس عام مفہوم کے اندر ایک خاص اشارہ اس عہد کی طرف بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے آخری بعثت کے باب میں لیا تھا اور جس کو اہل کتاب نے نہ صرف نسیاً منسیاً کر دیا تھا بلکہ اس کے آثار انھوں نے اپنی کتابوں سے بھی مٹا ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

'ایمان' سے مراد

'اَیْمَان' سے مراد وہ عام عہد و پیمان ہیں جن پر اجتماعی و تمدنی زندگی کی بنیاد ہوتی ہے اور جن سے معاشرتی زندگی اور معاملات میں اعتماد اور حسن ظن کی فضا بنتی ہے۔ یہود کا اس معاملے میں جو حال تھا وہ اوپر واضح ہو چکا ہے کہ انھوں نے امانتوں میں خیانت کرنے اور اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کی ذمہ داریوں سے فرار کے لیے کیسے کیسے شرعی حیلے ایجاد کر لیے تھے۔

'لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ' میں فعل کی نفی اس کے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے اس معنی میں کلام نہیں کرے گا یا ان کی طرف نظر نہیں کرے گا جو کلام کرنے اور نظر کرنے کا اصلی مفہوم ہے۔ یہ اسلوب عربی زبان میں عام ہے بلکہ ہر زبان میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنے قول و قرار کو اس طرح خرید فروخت کی چیز بنائے ہوئے ہیں اور اپنے دنیوی مفادات پر (جن کی بڑی سے بڑی مقدار بھی اجر آخرت کے بالمقابل حقیر ہی ہے) ان کو اس بے دردی سے قربان کر رہے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ اپنے جواہرات کوکوڑیوں کے عوض فروخت کر چکے ہیں اور جو لوگ اللہ کی امانت کے معاملے میں ایسے نااہل ثابت ہوئے ان سے نہ تو اللہ بات کرے گا، نہ ان کی طرف نظر کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اب آخرت میں ایسے شامت زدوں کے لیے دردناک عذاب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

یہود سے شدید نفرت کا اظہار

الفاظ کے تیور جو لوگ پہچانتے ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہاں ان کے اندر کتنی نفرت اور کیسی شدید بیزاری چھپی ہوئی ہے لیکن اہل کتاب بالخصوص یہود اپنی ان کارستانیوں کے باعث جن کا اوپر ذکر ہوا اسی کے سزاوار تھے۔ خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ یہ وہ قوم تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے پیغمبر کے واسطہ سے اپنے خاص کلام و خطاب کے شرف سے نوازا۔ یہ فرعونیوں کے قدموں کے نیچے روندی جا رہی تھی تو خدا نے اس پر عنایت کی نظر کی اور اس کو اس ذلت سے نکال کر سیادت و امامت کے تخت پر بٹھایا۔ اس کے تزکیہ کے لیے کتاب نازل فرمائی اور اس کو سنوارنے اور سدھارنے کے لیے اس کے اندر اپنے نبی اور رسول بھیجے لیکن اس قوم نے نہ تو اس خطاب و کلام کی کچھ قدر کی اور نہ اس نظر شفقت و عنایت اور اس تزکیہ و تطہیر کی، جس کا خدا اور اس کے نبیوں نے یہ کچھ اہتمام کیا تو اب اس قوم کا کیا منہ ہے کہ اللہ اس سے بات

کرے، یا اس کی طرف نظر کرے یا اس کو پاک کرے۔ اس نے تو اپنے اوپر امید کے سارے دروازے خود بند کر لیے۔

اس آیت میں تزکیہ کی جو نفی ہے اس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آخرت تزکیہ کا محل نہیں ہے، اس کا محل یہ دنیا ہے۔ جب انھوں نے یہاں اس کا موقع ضائع کر دیا تو آخرت میں وہ اس کو حاصل نہ کر سکیں گے۔ دوسرا یہ کہ ان کے جرائم ایسے نہیں ہیں کہ یہ آخرت میں تھوڑی بہت سزا پا کر ان سے پاک ہو جائیں بلکہ یہ جرائم ان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں لے ڈوبنے والے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۷۸)

'لیّ بلوی' کا مفہوم

لوی، بلوی، لیًّا کے معنی کسی چیز کو بٹنے، توڑنے مروڑنے اور اینٹھنے کے ہیں۔ یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتٰبِ کے معنی یہ ہوئے کہ کتابِ الٰہی کے بعض الفاظ ادا کرتے ہوئے وہ اپنی زبان اس طرح توڑتے مروڑتے ہیں کہ الفاظ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔

عہد الٰہی سے فرار کی ایک تدبیر

یہ اہل کتاب کی ان تدبیروں میں سے ایک تدبیر ہے جو انھوں نے عہد الٰہی کی ذمہ داریوں سے فرار کے لیے اختیار کی تھیں۔ تفسیر بقرہ میں جہاں ہم نے تحریف کے سوال پر بحث کی ہے وہاں بتایا ہے کہ تحریف کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ قرأت کی راہ سے لفظ یا جملہ کا تلفظ توڑ مروڑ کر اس طرح بگاڑ دیتے تھے کہ اصل حقیقت بالکل گم ہو کر رہ جاتی تھی۔ اس جرم کا ارتکاب یہود اور نصاریٰ دونوں ہی نے کیا ہے۔ اس کی مثال میں ہم نے لفظ 'مروہ' کا ذکر کیا ہے۔ یہ لفظ تورات میں حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت کے سلسلہ میں آیا ہے کہ اس مقام پر ان کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔ یہود نے اس قربانی کے واقعے میں جہاں کمی اور بیشی کی نوعیت کی بہت سی تبدیلیاں کی ہیں وہیں لفظ مروہ کی قرأت کو بگاڑ کر موریا، موریاہ، مورہ اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا تاکہ مکہ کی مشہور پہاڑی مروہ کے بجائے اس سے بیت المقدس کے کسی مقام کو مراد لے سکیں اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ اور ان کی ہجرت و قربانی کے واقعہ کا تعلق بیت اللہ سے بالکل کاٹ دیں۔ مقصد اس ساری کاوش سے ان کا یہ تھا کہ اس ایر پھیر سے ان پیشین گوئیوں اور اشارات کا رُخ موڑا جا سکے جو بنی اسماعیل اور ان کے اندر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تورات کے صحیفوں میں وارد تھیں۔ اسی طرح کی حرکت انھوں نے لفظ 'بکہ' کی قرأت میں کی جس پر آگے چل کر ہم بحث کریں گے۔

اس سازش کے ذکر کے بعد ان کی جسارت اور ڈھٹائی کی طرف توجہ دلائی کہ یہ حرکت وہ اس مقصد سے کرتے ہیں کہ جو چیز کتابِ الٰہی کی نہیں ہے اس پر کتابِ الٰہی کا لیبل چسپاں کر دیں اور جو چیز اللہ کی طرف سے نہیں ہے اس کو اللہ کے نام پر پیش کریں۔ فرمایا کہ یہ جانتے بوجھتے اللہ کے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ پر جھوٹ باندھنے سے بڑی جسارت اور کیا ہو سکتی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ه وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۷۹-۸۰)

'حکم' کے مختلف مفہوم

"حکم" کے معنی قضا اور فیصلہ کے ہیں۔ اپنے اسی مفہوم کی روح کو لیے ہوئے یہ قرآن میں تین مختلف پہلوؤں سے استعمال ہوا ہے۔

بعض جگہ مجرد فیصلہ کے معنی ہیں مثلاً وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ (۷۸۔ انبیاء) اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت موجود تھے) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا (۵۰۔ مائدہ) (کیا وہ جاہلیت کے فیصلہ کے طالب ہیں اور اللہ سے بڑھ کر کون فیصلہ کرنے والا ہے)

بعض مقامات میں قوتِ فیصلہ اور بصیرت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (۷۴۔ انبیاء) (اور لوط کو ہم نے قوتِ فیصلہ عطا فرمائی اور علم) وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً (۱۲-۱۳۔ مریم) (اور ہم نے اس کو بچپن میں فیصلہ کی قوت دی اور خاص اپنے پاس سے سوز و گداز اور پاکیزگی)

بعض آیات میں امر و حکم کے معنی میں ہے مثلاً فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (۱۲۔ غافر) (پس حکم خدائے بلند و بزرگ کے لیے ہے) وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۷۰۔ قصص) (اور اسی کے لیے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

یہاں موقع و محل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنے دوسرے اور تیسرے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔[1]

'ربانی' کا مفہوم

رَبّٰنِيْ کے معنی خدا پرست اور اللہ والے کے ہیں۔ یہ لفظ عربی میں عبرانی سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ربّی کا لفظ تورات اور انجیل میں بہت آیا ہے۔ صورت ذرا دونوں کی مختلف ہے لیکن معناً کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

اس آیت کا رخ خاص طور پر نصاریٰ کی طرف ہے جو اس سورہ میں اصلاً مخاطب ہیں۔ اب تک کی بحث بیشتر نقل پر مبنی تھی، اس آیت میں عقل سلیم کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز فرمائے، وہ لوگوں کو اللہ کے بجائے اپنا بندہ بننے کی دعوت دے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری بدعات نہ صرف مسیح کی تعلیمات، تمہاری مسلمہ تاریخ، اور انبیاء کے متفق علیہ عقاید کے بالکل خلاف ہیں بلکہ عقل سلیم بھی مسیح کی طرف ان کی نسبت قبول نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نبوت و رسالت کے منصب پر سرفراز فرماتا ہے اور اس

---

[1] لفظ حکم کی یہ تحقیق استاذ امامؒ کا افادہ ہے۔

کو کتاب و حکمت عطا فرماتا ہے تو اس لیے کہ وہ لوگوں کو دوسروں کی بندگی اور غلامی سے چھڑا کر خدا کی بندگی و غلامی میں لائے نہ کہ ان کو خدا سے چھڑا کر اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ جس کو خدا نے اپنے گلّے کی تلاش کے لیے بھیجا وہ خود ہی اس کے گلّے کو بھٹکانے والا بن گیا۔ بھلا اس سے بڑی تہمت خدا کے ایک رسول پر اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد بتایا کہ ایک حامل کتاب و حکمت نبی اگر تمھیں دعوت دے سکتا ہے تو اس بات کی دے سکتا ہے کہ لوگو! خدا پرست اور اللہ والے بنو اس لیے کہ تمھارے کتاب الٰہی کے پڑھنے پڑھانے والے ہونے کا اگر کوئی صحیح تقاضا ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح وہ لوگوں کو اپنا بندہ بننے کی دعوت نہیں دے سکتا اسی طرح وہ یہ دعوت بھی نہیں دے سکتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنالو اس لیے کہ دعوتِ ایمان کے ساتھ یہ کفر کی دعوت کس طرح جمع ہو سکتی ہے؟ کیا جو شخص تمھارے لیے ایمان و اسلام کی دعوت لے کر آئے گا وہی تمھیں مسلم بنانے کے بعد کفر میں جھونکنے کی کوشش کرے گا۔

اس آخری ٹکڑے میں خطاب میں ذرا وسعت پیدا ہو گئی ہے یعنی نصاریٰ کے ساتھ ساتھ اس میں ایک اشارہ قریش کی طرف بھی ہو گیا ہے جو فرشتوں اور نبیوں کے بھی بت بنا کر پوجنے لگے تھے۔

۲۱۔ آگے کا مضمون ــــ آیات ۸۱-۹۱

اب آگے پہلے ایک جامع میثاق کا حوالہ دیا ہے جو اہل کتاب سے انبیا علیہم السلام خصوصاً آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت کے لیے لیا گیا تھا اور اہل کتاب نے من حیث الجماعت اس کا اقرار کیا تھا لیکن اب وہ، جیسا کہ اوپر تفصیلات گزریں، اس کی ذمہ داریوں سے گریز اختیار کر رہے ہیں۔

پھر اہل کتاب سے باندازِ تعجب سوال کیا ہے کہ اگر وہ آخری نبی پر ایمان لانے اور اپنے باندھے ہوئے عہد کی ذمہ داریوں سے گریز اختیار کر رہے ہیں تو کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ اللہ کا دین تو اسلام ہے اور یہی دین اس تمام کائنات کا دین ہے اس لیے کہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے دائرۂ تکوینی میں طوعاً و کرہاً بہر حال اللہ ہی کی اطاعت کرتی ہے۔

اس کے بعد امتِ مسلمہ کے کلمۂ جامعہ کا حوالہ دیا ہے کہ اگر یہ اہل کتاب اپنے تعصبات کی جکڑ بند سے آزاد نہیں ہونا چاہتے تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑو اور یہ اعلان کر دو کہ ہم تمام انبیا پر ایمان لاتے ہیں، ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم خدا ہی کے فرمانبردار ہیں۔

پھر آگے کی آیات میں ان اہل کتاب کے انجامِ بد کا ذکر فرمایا ہے کہ بھلا یہ لوگ جنھوں نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کی ہے اور آخری رسولؐ کو پہچاننے کے بعد اس کی تکذیب کی ہے، خدا کی ہدایت سے

کس طرح بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ یہ تو اس کے سزاوار ہیں کہ ان پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام خلق کی لعنت ہو ——— اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۸۱–۱۰۱

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۹۱﴾ ع ۹ ۱۷

ترجمۂ آیات ۸۱-۹۱

اور یاد کرو جب کہ خدا نے تم سے نبیوں کے بارے میں میثاق لیا۔ ہر گاہ میں نے تمھیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی، پھر آئے گا تمھارے پاس ایک رسول مصداق بن کر ان پیشین گوئیوں کا جو تمھارے پاس موجود ہیں تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پوچھا کیا تم نے اس امر کا اقرار کیا اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری تم نے اٹھائی، بولے کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ تو جو لوگ اس عہد کے بعد پھر جائیں گے وہی لوگ نافرمان ٹھہریں گے۔ ۸۱-۸۲

کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں حالانکہ جو آسمان و زمین میں ہیں طوعاً و کرہاً سب اسی کے فرمانبردار ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے تم کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہم پر اتاری گئی اور اس چیز پر جو ابراہیم اسماعیل، اسحاق، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور اس چیز پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے دی گئی، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔

اللہ ان لوگوں کو کس طرح بامراد کرے گا جنھوں نے ایمان کے بعد کفر کیا درآنحالیکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آچکی ہیں اور اللہ ظالموں کو بامراد نہیں کرے گا۔ ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ البتہ جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد اور اپنے کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہی لوگ اصلی گمراہ ہیں۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گئے اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ میں دیں تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان کے لیے عذاب دردناک ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔
۸۳-۹۱

۲۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ○ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۸۱-۸۲)

انبیا کے باب میں بنی اسرائیل سے میثاق

'مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ' میں اضافت فاعل کی طرف نہیں بلکہ مفعول کی طرف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ انبیا سے میثاق لیا گیا بلکہ یہ مطلب ہے کہ انبیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا۔ یہ میثاق، جیسا کہ آیت میں ذکر ہے، اس بات کے لیے تھا کہ بنی اسرائیل چونکہ کتاب و حکمت کے حامل اور امین بنائے گئے ہیں اس وجہ سے ان کے اس منصب کا فطری تقاضا یہ ہے کہ جو انبیا آئیں خاص طور پر آخری نبی جب آئیں تو سب سے آگے بڑھ کر ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ اس عہد کا ذکر قرآن میں مختلف اسلوبوں سے ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ مائدہ میں ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ	اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور اٹھائے ہم نے ان میں سے بارہ نقیب اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمھارے

اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ	ساتھ ہوں اگر تم نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے
وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ	رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان
وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا	کی عزت کی اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے، میں
لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ	تمھارے گناہ تم سے جھاڑ دوں گا اور تم کو ایسے باغوں
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ فَمَنْ	میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔
کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ	جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ وسط شاہراہ
سَوَآءَ السَّبِیْلِ (۱۲- مائدہ)	سے بھٹک گیا۔

بحالی کے باب میں میثاق

اس آیت میں رُسُل کا لفظ ہے جو عام ہے لیکن ایک دوسری آیت میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ	پس میں اپنی اس رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا
الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ہ	جو تقویٰ اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور
اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ	جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے یعنی ان لوگوں پر
الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ	جو اس رسول اور نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو
فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ	وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،
بِالْمَعْرُوْفِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ	جو انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، ان کے لیے پاکیزہ چیزوں
عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ	کو حلال ٹھہراتا ہے، ان پر گندی چیزوں کو حرام کرتا
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ فَالَّذِیْنَ	ہے اور ان پر سے اس بوجھ اور ان پابندیوں کو دور
اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ	کرتا ہے جو ان پر اب تک رہی ہیں۔ تو جو لوگ اس
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ	پر ایمان لائے، اس کی توقیر اور مدد کی اور اس روشنی
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔	کی پیروی کی جو اس پر اتاری گئی، وہی فلاح پانے
(۱۵۶- ۱۵۷ اعراف)	والے ہیں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی سے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی تائید و نصرت کا عہد لیا گیا تھا، لیکن انھوں نے اس عہد کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس عہد کے کچھ آثار تورات اور انجیل میں بھی موجود ہیں لیکن اب وہ تحریف کے گرد و غبار سے بہت بڑی حد تک دھندلے ہو چکے ہیں، مناسب موقع پر وہ زیر بحث آئیں گے۔

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ سے مراد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ کی وضاحت ہم بقرہ میں کر چکے ہیں۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک خاص اہمیت رکھنے والا پہلو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ظہور اور آپؐ کی صفات اور کارناموں سے ان پیشین گوئیوں کا مصداق سامنے آیا تھا جو تورات اور انجیل میں موجود تھیں، اور جن کے مصداق کے ظہور کے لیے اہل کتاب منتظر بھی تھے اور ان کو منتظر رہنا چاہیئے بھی تھا۔ اس لیے کہ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق سے سب سے پہلے انھی کا سر اونچا ہوتا۔ لفظ تصدیق کے اس مفہوم کے لیے ایک حماسی شاعر کا یہ شعر پیش نظر رکھیئے۔

فدت نفسی وما ملکت یمینی ۔۔۔ فوارس صدقوا فیهم ظنونی

"میری جان اور میرا مال ان شہسواروں پر قربان جنھوں نے اپنے بارے میں میرے سارے گمان سچے ثابت کر دیئے"

اس پہلو سے اگر یہود و نصاریٰ غور کرتے تو وہ دیکھتے کہ حضورؐ کی بعثت سے خود ان کی اور ان کی کتابوں کی تصدیق ہو رہی ہے لیکن یہ ان کی شامت تھی کہ جس نے ان کی تصدیق کی اس کو انھوں نے جھٹلایا اور جس کی حجت اور جس کی شہادت کا بارِ گراں وہ اتنی مدت تک اٹھائے پھرے جب وہ آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کر دی۔

بنی اسرائیل میں میثاق لینے کی صورت

قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ، کا ایک خاص موقع و محل ہے جس کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے تب اس ٹکڑے کا زور سمجھ میں آجائے گا۔ موسوی شریعت میں یہ قاعدہ تھا کہ جب اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کی ہدایات اترتیں تو حضرت موسیٰؑ ان کو انفرادی طور پر اپنے صحابہ کو صرف سنا دینے ہی پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ بنی اسرائیل کی پوری جماعت یا کم از کم ان کے تمام سرداروں کو خیمۂ عبادت میں جمع کرتے، تابوت سامنے ہوتا، حضرت موسیٰؑ وعظ و تذکیر کے بعد خداوند خدا کا حکم سناتے پھر سب سے اس کی اطاعت کا اقرار لیتے سب کے اقرار کے بعد لوگوں کو اس کا گواہ رہنے کی تاکید کرتے، اور خدا کو اس پر گواہ ٹھہراتے۔ آخر میں اس حکم کی نافرمانی کے دنیوی و اخروی عواقب و نتائج سے بھی آگاہ فرما دیتے۔ اس طرح گویا اللّٰہ تعالیٰ کا ہر امر و نہی اللّٰہ تعالیٰ اور بنی اسرائیل کے درمیان ایک عہد و میثاق کا درجہ حاصل کر لیتا۔ اب یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ جس شریعت کے تحفظ کے لیے یہ جتن کیے گئے اس کے حاملوں نے اس کے ایک ایک عہد کے پرزے اڑا کے رکھ دیئے۔ اس روشنی میں فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ کے الفاظ پر غور کیجیے تو بَعۡدَ ذٰلِکَ کا حقیقی وزن محسوس ہو گا کہ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے عہد سے منہ موڑیں تو ان سے بڑھ کر عہد شکن کون ہو گا؟ فاسق کا لفظ یہاں عام معنوں میں نہیں ہے بلکہ جس طرح ابلیس کے بارے میں وارد ہے کہ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ کہ وہ اپنے رب کے حکم سے نکل بھاگا اسی مفہوم میں یہاں بنی اسرائیل کے لیے استعمال ہوا۔

اَفَغَیۡرَ دِیۡنِ اللّٰہِ یَبۡغُوۡنَ وَلَہٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّکَرۡہًا وَّاِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

اسلام تمام کائنات کا دین ہے

اہل کتاب کے اس تمام گریز و فرار پر اب یہ باندازِ استعجاب سوال کیا ہے کہ آخر اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے اس سعیِ فرار کا مقصد کیا ہے؟ کیا اللہ کے دین کے سوا یہ اہل کتاب کسی اور دین کے طلبگار ہیں۔ اللہ کا دین ازل سے اسلام ہے۔ یہی دین اس نے تمام نبیوں اور رسولوں کو دیا اور یہی دین اس پوری کائنات کا دین ہے۔ سورج، چاند، ابر، ہوا اور آسمان و زمین سب اسی دین کے پیرو ہیں۔ اسلام کی حقیقت اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے۔ کس کی مجال ہے جو خدا کے حکم اور اس کے قانون سے سرتابی کر سکے۔ جو اپنے محدود دائرۂ اختیار میں (اور یہ دائرۂ اختیار بھی خدا ہی کا قائم کردہ اور اسی کی مشیت کے تحت ہے) کوئی سرتابی کرتے بھی ہیں تو وہ بھی دائرۂ تکوینی کے اندر خدا کے قوانین کے تحت عاجز و سرفگندہ ہیں۔ کس کی تاب ہے کہ وہ زندگی اور موت کے طبعی قوانین سے بھاگ سکے۔ پس فطرت اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے محدود دائرہ اختیار میں بھی اسی خالق و مالک کے قوانین کی طوعاً تابعداری کرے جس کے قوانین کی تابعداری اپنے دائرۂ تکوینی میں کرہاً کر رہا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی اس پوری کائنات کے ذرہ ذرہ سے ہم آہنگ و ہم رنگ ہو جائے گی۔ اس کے دائرۂ اختیار اور دائرۂ تکوینی دونوں میں کامل موافقت پیدا ہو جائے گی اور انسان خدا کی بخشی ہوئی آزادی کو خدا ہی کی شریعت کے حوالہ کر کے اپنے آپ کو فرشتوں اور نبیوں کی طرح خدا کے رنگ میں رنگ لے گا۔ یہی اسلام ہے۔ یہی صبغۃ اللہ ہے۔ یہی خدا کا دین ہے۔ یہی مذہب آدمؑ، یہی دعوتِ نوحؑ اور یہی ملتِ ابراہیمؑ ہے اور اسی کی دعوت لے کر یہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ہیں۔ پھر اس دینِ فطرت اور اس دینِ کائنات کو چھوڑ کر یہ اہل کتاب ——— اہل کتاب ہو کر ——— کس دین کے طلبگار ہیں۔

"وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس زندگی میں خدا کے قانون سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے اسی طرح آگے بھی راہ مُرندی ہوئی ہے۔ جو مر کے اس سے چھوٹتا ہے وہ بھی چھوٹتا نہیں بلکہ وہ بھی خدا ہی کے پاس جاتا ہے اور اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کرتا ہے۔

قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۸۴)

اسلام کا کلمہ جامعہ

یہ آیت بعینہٖ سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے۔ وہاں اس کے تمام الفاظ اور مطالب پر بحث ہو چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۱۳۶ البقرہ۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اسلام کے کلمہ جامعہ کا اعلان کرایا گیا ہے اور سیاق کلام یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اگر اسلام کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں تو انھیں ان کی خواہش کے حوالہ کرو۔ شیطان جس وادی میں چاہے ان کو ٹھوکر کھلائے۔ تم ان کے پیچھے اپنی اوقات رائیگاں نہ کرو۔ بلکہ اعلان کر دو کہ ہم تو اللہ اور اس کے اس دین پر ایمان لاتے جو تمام انبیا کا دین ہے۔ ہم ان انبیا میں کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں، کسی کو نہ مانیں۔ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم خدا ہی کے فرمانبردار ہیں۔

اور اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۸۵)

اسلام کے حق میں دلائل واضح کر دینے کے بعد اب یہ صاف الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ جو لوگ اسلام کے سوا کسی اور دین کے طالب بنیں گے یا اس پر جمے رہیں گے، عام اس سے کہ وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا کوئی اور دین، وہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔ ایسے لوگ آخرت میں محروم و نامراد ہوں گے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۸۶-۸۹)

لفظ 'ہدایت' کا خاص مفہوم

لفظ 'ہدایت' پر ہم بقرہ میں بحث کر چکے ہیں کہ اس کے تین مرحلے ہیں۔ آخری مرحلہ اس کا ہدایت آخرت کا ہے۔ اس مرحلہ میں غایت و مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے اور بندہ اپنی مساعی کے ثمرہ سے بہرہ مند اور اپنی جدوجہد زندگی کے حاصل سے بامراد ہوتا ہے۔ ہدایت کا لفظ اس معنی میں بھی قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ 'یھدی' اس آیت میں اسی معنی میں ہے۔ استاذ مرحوم اس سے ہدایت کا عام مفہوم ہی مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہاں بنی اسرائیل کے لیے جس ہدایت کی نفی ہے وہ من حیث القوم ہے، من حیث الافراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایسے شدید جرائم کی مرتکب ہوئی ہے اس کے لیے اسلام کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے!

'شھدوا' میں شہادت سے مراد دل کی شہادت ہے کہ ان اہل کتاب کے دل مانتے ہیں کہ یہ رسول سچے ہیں۔ ان کی وہ نشانیاں جو ان پر ظاہر ہوئی ہیں وہ اس قدر واضح ہیں کہ ان کی صداقت پر ان کے دل گواہی دیتے ہیں لیکن محض ضد، تعصب اور حسد کے سبب سے اس کو جھٹلاتے ہیں۔

یہ اوپر والی آیت کی توجیہ بیان ہوئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کس طرح بامراد کر سکتا ہے جنھوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا، جن کے پاس اس رسول کی صداقت کی کھلی ہوئی نشانیاں آ چکی ہیں لیکن وہ ان کی تکذیب کر رہے ہیں، جن کے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہ رسول برحق ہیں لیکن پھر بھی ان کی زبانیں اس کو جھٹلاتی ہیں؟ ایسے لوگ اپنی فطرت، اپنی عقل اور اپنی رُوح پر بہت بڑا ظلم ڈھانے والے ہیں اور یہ سنت الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بامراد نہیں کرتا جو خود اپنے ہاتھوں اپنے نشانات راہ گم کریں اور اپنے آپ کو خود ٹھوکر کھلائیں۔ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور ساری خلقت کی لعنت ہو۔ 'الناس' کے ساتھ 'اجمعین' کی تاکید اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ قیامت کے دن ان پر نیک اور بد سب ہی لعنت کریں گے۔ نیکوں کی لعنت کی وجہ تو واضح ہے، بد اس لیے

لعنت کریں گے کہ وہ ان کے سبب سے گمراہ ہوئے ــــ چنانچہ قرآن میں تصریح ہے کہ قیامت کے دن گمراہ لیڈروں اور ان کے گمراہ پیرو دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، پیرو کہیں گے کہ تم نے ہمیں برباد کیا، اگر تم ہماری راہ نہ مارتے تو ہم ہدایت پر ہوتے۔ لیڈر کہیں گے ہم جیسے تھے ویسا ہی ہم نے تم کو بنایا، تم خود شامت زدہ تھے کہ تم نے ہدایت کی راہ اختیار نہ کی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْھَا میں ضمیر کا مرجع دوزخ ہے۔ اگرچہ دوزخ کا ذکر الفاظ میں موجود نہیں ہے لیکن اوپر جس لعنت کا ذکر ہے اس نے اس کا ایسا واضح قرینہ بہم پہنچا دیا ہے کہ لفظوں میں اس کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ گویا لعنت خود عذاب کی قائم مقام بن گئی۔ زبان میں اس اسلوب کی مثالیں بہت ہیں۔ سورۂ حدید کی تفسیر میں ہم اس اسلوب پر بحث کریں گے۔ اس عذاب کی نسبت فرمایا کہ نہ اس میں کسی مرحلے میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اس سے ان کو کبھی مہلت ملے گی۔ اس میں پڑ جانے کے بعد ان کے لیے امید کے سارے دروازے بند ہوجائیں گے البتہ وہ لوگ اس عذاب سے بچ جائیں گے جو ان تنبیہات کے بعد توبہ کر کے اپنے حالات کی اصلاح کرلیں گے اور جن حق پوشیوں کے اب تک مجرم ہوئے ہیں ان کا برملا اظہار و اعلان کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (۹۰-۹۱)

ان لوگوں کا بیان جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی

یہ ان لوگوں کا بیان ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان تمام جرائم کا ارتکاب کر کے جن کا ذکر اوپر ہوا، ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہوئے۔ پھر اس کفر پر ردے کے بعد ردے چڑھاتے چلے گئے۔ جب وقت آخر آیا تو زبان سے توبہ توبہ کرلی، نہ اپنے جرائم کی اصلاح کی، نہ اپنی حق پوشیوں کا پیغمبرؐ اور اہلِ ایمان کے سامنے اظہار و اعتراف کیا، نہ اللہ کی راہ میں انفاق اور پیغمبرؐ کی حمایت و نصرت سے اپنے گناہ دھونے کی کوشش کی۔ بلکہ جیسا کہ قرآن میں اشارہ ہے، اس غلط آرزو میں مر گئے کہ سَیُغْفَرُ لَنَا اللہ ہماری ساری غلطیوں کو معاف فرما دے گا۔ قرآن نے یہاں واضح فرما دیا کہ جو لوگ اس قسم کی طمع خام میں مبتلا ہیں، نہ ان کی یہ توبہ توبہ ہے، نہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ کو پذیرائی بخشے گا۔

اسی طرح کا معاملہ ان لوگوں کا ہے جو ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہوئے اور اسی حالت کفر میں مر گئے۔ فرمایا کہ اگر اس طرح کے لوگ زمین برابر سونا بھی اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے فدیہ میں دیں تو بھی قبول نہیں ہوگا۔ یہ اسلوب بیان محض ان کی نجات کے عدم امکان کی تعبیر کے لیے اختیار کیا گیا ورنہ آخرت میں نہ کسی کے پاس فدیہ میں دینے کے لیے کچھ ہوگا، نہ آخرت اس قسم کے لین دین کی کوئی جگہ ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ، میں ان لوگوں کی اس طمع خام کی نفی ہے جو یہ اپنے بزرگ اسلاف کی شفاعت

کی رکھتے تھے۔ فرمایا کہ آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

یہ مضمون سورہ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ آیت ہم یہاں بھی نقل کیے دیتے ہیں تاکہ زیر بحث آیت کے بعض مضمرات روشنی میں آجائیں۔ فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ (۱۵۹-۱۶۲ بقرہ)

بے شک جو لوگ ان واضح آیات اور اس ہدایت کو چھپاتے ہیں جو ہم نے اتاری ہے، بعد اس کے کہ ہم نے اس کو اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے اچھی طرح واضح کر دیا ہے وہی لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے بھی لعنت کریں گے۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں اور کھول دیں چھپائی ہوئی باتوں کو۔ یہی لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اسی حالتِ کفر میں مر گئے ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہے۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔

۲۳۔ آگے کا مضمون ___ آیات ۹۲-۹۹

اوپر کا مضمون اگر ذہن میں موجود ہے تو آگے کا سلسلہ بیان سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ اوپر آیت ۶۳ سے یہ بحث شروع ہوئی تھی کہ یہود اور نصاریٰ ملت ابراہیمؑ پر ہونے کا جو دعویٰ کرتے ہیں محض بے بنیاد دعویٰ ہے۔ ملت ابراہیمؑ پر یہ پیغمبرؐ اور ان کے ساتھی ہیں لیکن یہ یہود و نصاریٰ طرح طرح کی سازشوں اور تحریفوں سے اصل حقائق پر پردہ ڈالنا اور خلق کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ قربانی کوئی نہ دینی پڑے۔ بس دینداری کی چند جھوٹی سچی رسمیں ادا کرکے خدا کی وفاداری کے سب سے اونچے مقام کے حق دار سمجھے جاتے رہیں۔

یہاں سب سے پہلے تو یہ مغالطہ دور فرمایا کہ خدا کی وفاداری کا مقام محض جھوٹی رسم داری اور نمائشی دین داری سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اصل شے یہ ہے کہ خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو تمھیں محبوب ہیں۔ جب تک انسان خدا کے لیے اپنی محبوبات کی قربانی کا عادی نہیں ہوتا اس وقت تک اس میں خدا کے عہد و پیمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں ہوتا۔

مسلمانوں پر ملت ابراہیم کی مخالفت کا الزام

اس کے بعد ضمنی طور پر یہود کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو ملت ابراہیمؑ کے خلاف ثابت کرنے کے لیے اٹھایا تھا۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے ہاں کھانے پینے کی بعض ایسی چیزیں جائز ہیں جو یہود کے زعم کے مطابق ابراہیمی شریعت میں حرام تھیں۔ مثلاً اونٹ کی نسبت ان کا دعویٰ تھا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں حرام ہے لیکن مسلمانوں کے ہاں نہ صرف یہ کہ حلال طیب ہے بلکہ ان کے ہاں یہ محبوب ترین مال ہے اور وہ اس کے نحر اور قربانی کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے سے ان کا مقصد، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، محض عوام کو یہ باور کرانا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ملتِ ابراہیمؑ سے برگشتہ ہیں۔ قرآن نے اس کا جواب دے دیا کہ یہ بات محض یہود کا افترا ہے۔ تورات خود اس بات پر شاہد ہے کہ اونٹ کی حرمت کا تعلق اگر ہے تو شریعتِ موسوی سے ہے نہ کہ شریعت ابراہیمی سے۔

اس ضمنی اعتراض کا جواب دینے کے بعد ان کو پھر ملتِ ابراہیمی کی پیروی کی دعوت دی ہے اور ان پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو تورات میں خانہ کعبہ کی اولیت، اس کی مرکزیت اور اس کے سرچشمۂ برکت و ہدایت ہونے کے باب میں وارد تھیں لیکن ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی، نیز ان نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو صاف شہادت دیتی ہیں کہ اسی سرزمین کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا مسکن بنایا، اسی کو دارالامن قرار دیا، اسی کو حج و عبادت کا مرکز ٹھہرایا اور ہزاروں سال سے ان کی ذریت اس سرزمین پر ان کے نام اور ان کی روایات کی حامل چلی آرہی ہے۔

آخر کی دو آیتوں میں اہل کتاب کو ملامت کی ہے کہ جس راہ کی نشان دہی کے لیے تم خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے تھے یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ تم اس سے لوگوں کو روکنے اور اس کو گم کرنے کے لیے اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

آیات ۹۲-۹۹

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ
كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمۂ آیات ۹۲-۹۹

تم خدا کی وفاداری کا درجہ ہرگز نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۹۲

کھانے کی ساری چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں، مگر وہ جو اسرائیل نے تورات کے نازل کیے جانے سے پہلے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں۔ کہہ دو لاؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ پر جھوٹ باندھیں وہی لوگ ظالم ہیں۔ ۹۳-۹۴

کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا تو ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو حنیف تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔ بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ عالم والوں

کے لیے برکت اور ہدایت کا مرکز۔ وہاں واضح نشانیاں ہیں، مسکن ابراہیم ہے۔ جو اس میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے۔ اور جو لوگ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کے اوپر اللہ کے لیے اس گھر کا حج ہے اور جس نے کفر کیا تو اللہ عالم والوں سے بے پروا ہے۔ ۹۵-۹۷

پوچھو اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو، درآنحالیکہ جو کچھ تم کر رہے ہو سب خدا کی نظر میں ہے؟ کہو، اے اہل کتاب تم ایمان لانے والوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روک رہے ہو، تم اس میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہو حالانکہ تم گواہ بنائے گئے ہو، جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ ۹۸-۹۹

۲۴- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۹۲)

خدا کے ساتھ وفاداری کی شرط محبوب مال کا انفاق

لفظ 'بِرّ' کی تحقیق تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس لفظ کی اصل روح ایفائے عہد اور ادائے حقوق و فرائض ہے عام اس سے کہ یہ خدا کے حقوق و فرائض ہوں یا اس کے بندوں کے۔ بنی اسرائیل ایفائے عہد اور ادائے حقوق کے معاملے میں تو بالکل صفر تھے لیکن محض چند رسوم کی ظاہر دارانہ پیروی کر کے یہ سمجھتے تھے کہ خدا کی وفاداری میں جو مرتبہ و مقام ان کا ہے وہ کسی کا نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی زعم میں وہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے تمام انبیا کی وراثت کا تنہا اجارہ دار سمجھتے تھے اور یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ کوئی اس میدان میں ان کا حریف ہو سکتا ہے۔ قرآن نے یہاں ان کے اسی زعم باطل پر ضرب لگائی ہے کہ خدا کی وفاداری کا مقام مجرد خالی خولی دعووں اور چند رسموں کے ادا کر دینے سے نہیں حاصل ہو جاتا بلکہ اس کے لیے قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک تم خدا کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اس وقت تک تمہارا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔

محبت اور وفاداری کی جانچ کے لیے یہ کسوٹی ایک ایسی کسوٹی ہے جو فی الحقیقت بنی اسرائیل کا سارا بھرم کھول دینے کے لیے کافی تھی اس لیے کہ دینداری کی بے خرچ ظاہر داریاں تو وہ کسی نہ کسی حد تک نباہنے

کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جہاں معاملہ خرچ کرنے کا پیش آجائے اور وہ بھی محبوب مال کے خرچ کرنے کا تو پھر ان کا سارا دعوائے عشق و محبت ہرن ہو جاتا۔ حالانکہ جن حضرت ابراہیمؑ کی پیروی اور جن کی وراثت و نیابت کے وہ تنہا اجارہ دار بنے بیٹھے تھے ان کے متعلق جانتے تھے کہ ان کو خدا کی وفاداری کا جو مقام حاصل ہوا محض زبانی جمع خرچ سے نہیں حاصل ہوا بلکہ اپنے محبوب اکلوتے بیٹے کی قربانی سے حاصل ہوا۔

قرآن نے یہود کی اس رسمی دینداری پر جگہ جگہ تعریض کی ہے مثلاً فرمایا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ	خدا کی وفاداری کا حق اس سے ادا نہیں ہو جاتا کہ اپنا
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ	رخ مشرق اور مغرب کی طرف کرو بلکہ اصل وفاداری
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	تو ان کی ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر،
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	کتاب پر اور نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے مال
ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	اس کے محبوب ہونے کے باوجود دیتے ہیں قرابت مندوں
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي	کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافر کو، سائلوں کو نیز اس
الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى	کو خرچ کرتے ہیں گردنوں کو آزاد کرانے میں۔ اور نماز کا
الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا	اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب عہد کر بیٹھیں
عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں اور خاص کر وہ لوگ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	جو بھوک اور بیماری میں اور جنگ کے وقت ثابت قدم
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۱۷۷۔ بقرہ)	رہنے والے ہوں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ والآیۃ (اور جو کوئی چیز بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے) سے مقصود اس کا لازم ہے۔ یعنی خدا جب تمہارے خرچ کیے ہوئے پیسے پیسے سے باخبر ہے تو اطمینان رکھو کوئی حبہ ضائع جانے والا نہیں ہے۔ اگر ایک خرچ کرو گے تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک پاؤ گے اور اللہ کا فضل مزید براں ہے جس کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۹۳-۹۴)

یہود کے ایک اعتراض کا جواب

یہ یہود کے اس اعتراض کا ضمنی جواب ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ یہود مدعی تھے کہ اصل ملت ابراہیمؑ پر وہ ہیں نہ کہ مسلمان۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں جو باتیں وہ کہتے تھے ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمانوں نے جو چیزیں جائز کر رکھی ہیں ان میں سے بعض چیزیں ملت ابراہیمؑ میں حرام تھیں لیکن مسلمان نہ صرف یہ کہ ان کو جائز رکھتے ہیں بلکہ ان کے بر و تقویٰ اور ان کے انفاق و قربانی کا انحصار

انھی چیزوں پر ہے ان کا اشارہ اونٹ کے ذبیحہ اور اس کی قربانی کی طرف ہوگا اس لیے کہ اونٹ عرب کے محبوب ترین اموال میں سے تھا، اور یہود کی شریعت میں، جیسا کہ احبار میں وارد ہے، وہ حرام ہے۔

قرآن نے یہاں مناسب موقع پر ان کے اس غلط خیال کی تردید کر دی۔ فرمایا کہ جو چیزیں طیبات میں داخل اور کھانے پینے کی ہیں وہ سب ابتداءً بنی اسرائیل کے ہاں بھی حلال تھیں منجملہ ان کے اونٹ بھی ہے۔ البتہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے یعقوبؑ نے بعض چیزیں اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں۔ چنانچہ تورات میں دیکھ لو کہ اونٹ یا بعض دوسری چیزیں جن کو تم حرام قرار دیتے ہو ان کی حرمت کا کوئی ذکر عہد ابراہیمی میں نہیں ملتا، اگر ملتا ہے تو تورات میں ملتا ہے۔

یہود کی حرام کردہ طیبات کی تین قسمیں

تورات میں ملتِ ابراہیمی کے خلاف جن طیبات کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو محض یہود کے فقہا کی تحلیل و تحریم اور ان کی موشگافیوں کی پیدا کردہ ہیں۔ انھوں نے اپنے فتوے کے تحت کسی چیز کو حرام ٹھہرایا اور بعد میں ان کا یہی فتویٰ تورات میں شامل ہو کر اس کا ایک جزو بن گیا اور اس طرح فقیہوں کے ایک فتوے نے کتابِ الٰہی کی حیثیت حاصل کر لی۔ تورات میں اس قسم کے جو گھپلے ہوئے ہیں ان پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے، ان کا تعلق تورات کی تاریخ سے ہے اور یہ ایک الگ موضوع ہے۔

دوسری وہ ہیں جو یہود کی سرکشی، ان کی کٹ حجتی اور ان کی سوال بازی کے سبب سے حرام ہوئیں۔ انھوں نے کسی چیز کے متعین کرانے میں اتنے سوالات اٹھائے کہ ان کے لیے جواز کی راہ تنگ سے تنگ ہوتی چلی گئی اور اچھی بھلی طیب و طاہر چیزیں بھی ان کے لیے حرام ہو کر رہ گئیں۔

تیسری وہ ہیں جن سے احتراز و اجتناب کا تصور ان کے ہاں بزرگوں سے چلا آ رہا تھا۔ مثلاً بعض چیزیں حضرت یعقوبؑ کسی احتیاط یا محض طبعی و ذوقی عدم مناسبت کی بنا پر نہیں استعمال کرتے تھے۔ یہود نے اس طرح کی چیزوں کا سرا حضرت ابراہیمؑ سے ملا دیا اور ان کی حرمت بھی تورات کی محرمات کی فہرست میں شامل ہو گئی۔

یہی وہ حرمتیں ہیں جن کو قرآن میں "اصر و اغلال" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہود کے صحیفوں میں ملتِ ابراہیمؑ پر مبعوث ہونے والے پیغمبر کے بارے میں یہ پیشین گوئی موجود تھی کہ جب وہ آئیں گے تو یہود کے لیے تمام طیبات کو حلال کریں گے اور جو طوق و سلاسل انھوں نے اپنے اوپر لاد رکھے ہیں ان سے ان کو نجات دیں گے۔ اس مسئلہ پر ہم سورۂ انعام کی تفسیر میں تفصیل سے بحث کرنے والے ہیں اس وجہ سے یہاں ان مختصر اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔

'فَمَنِ افْتَرٰی الآیہ'، یعنی جو لوگ اس وضاحت کے بعد بھی اس بات پر اڑے رہیں کہ جن چیزوں کو انھوں نے حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ ملتِ ابراہیمؑ میں بھی حرام تھیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے تو یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے!

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۹۵)

فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ تو محض اللہ پر جھوٹا بہتان ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے یہ سچ ہے۔ تو اپنی بدعات کو ملتِ ابراہیمؑ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو جس کی دعوت میں دے رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام اسلام کی راہ پر بالکل یکسو تھے، نہ انھوں نے اس راہ سے دوسری پگڈنڈیاں نکالیں اور نہ وہ مشرکین میں سے تھے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۹۶ - ۹۷)

بکہ کی تحقیق

'بکّہ' سے مراد مکّہ ہے[۱]۔ قدیم صحیفوں میں اس کا یہی نام آیا ہے۔ لغوی معنی اس کے شہر کے ہیں مثلاً بعلبک (بعل کا شہر) یہود نے آخری بعثت کے نشانات گم کرنے کے لیے تورات کے توڑ مروڑ یا بالفاظِ قرآن 'لَیًّا بِاَلْسِنَتِہِمْ' کے ذریعے سے جو تحریفیں کی ہیں، ان کی ایک مثال یہ لفظ بھی ہے۔ اس کو یہود نے بگاڑ کر 'بکہ' کے بجائے بکا بنایا اور اس کو مصدر قرار دے کر ترجمہ اس کا رونا کر دیا اور اس طرح 'وادیٔ بکّہ' کو رونے کی وادی[۲] میں تبدیل کر کے اس سب سے بڑے نشان کو گم کر دیا جس سے خلق کو آخری نبیؐ کے بارے میں رہنمائی مل سکتی تھی۔ اس آیت میں قرآن نے مکہ کو بکہ کے نام سے ذکر کر کے مکّہ کے اس قدیم نام کی یاد دہانی کی ہے جو تورات کے صحیفوں میں تھا۔ بلکہ بعض صحیفوں میں اب بھی ہے مثلاً زبور میں۔

اس آیت میں ان چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت کا وہ گھر جو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر فرمایا یہی مکّہ کا بیت اللہ ہے۔ اسی گھر کو حضرت ابراہیمؑ نے ملت ابراہیمؑ کا مرکز بنایا اور اسی گھر سے ان کی مشہور دعا 'رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ' الآیہ کے بموجب اس پیغمبر کی دعوت بلند ہوئی، جو امیوں میں پیدا ہونے والے تھے اور جن کی دعوت سے ساری دنیا کو فیض پہنچنے والا تھا۔ 'مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ' میں اس بات کا اشارہ موجود ہے۔

یہ بات محتاجِ ثبوت نہیں ہے کہ تورات میں حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں جس بیت ایل (بیت اللہ) کی

---

[۱] مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں لفظ مکّہ پر لکھا ہے: "لوگوں نے اس لفظ کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف کیا ہے لیکن اس امر میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ بکّہ کی بدلی ہوئی صورت ہے چنانچہ یہ لفظ خود قرآن میں آیا ہے۔ جس وقت حضرت اسماعیلؑ اس وادی میں آباد کیے گئے ہیں اس وادی کا یہی نام تھا۔ اس کے معنی آبادی کے ہیں جیسا کہ لفظ بعلبک سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ بابل سے تشریف لائے تھے اس وجہ سے انھوں نے مکّہ کے نام کے لیے اپنی زبان کا لفظ پسند فرمایا۔

[۲] ملاحظہ ہو مزمور ۸۴۔

تعمیر کا ذکر ہے اس کا مصداق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو مکّہ کا بیت اللہ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ بیت المقدس۔ اس لیے کہ بیت المقدس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے سینکڑوں سال بعد حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ یہی گھر ملّت ابراہیمؑ کی برکتوں کا مظہر ہو سکتا ہے نہ کہ بیت المقدس۔

کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی نشانیاں

فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ، یعنی اس میں نہایت واضح نشانیاں اس بات کی موجود ہیں کہ یہی گھر حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے۔ ان نشانیوں کو اگرچہ یہود نے مٹانے کی کوشش کی لیکن تورات میں آج بھی ایسے ناقابلِ تردید شواہد موجود ہیں جو یہود کی تمام تحریفات کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں قبلہ کی بحث میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جو لوگ تفصیل کے طالب ہوں، اس بحث کو پڑھیں، یہاں اس کے دہرانے میں طوالت ہوگی۔

نشانیوں کا بالاجمال ذکر کرنے کے بعد جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا ہے تین چیزوں کی طرف خاص طور پر اشارہ فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ یہ مقامِ ابراہیم ہے، دوسری یہ کہ جو اس حرم میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ تمام اہلِ استطاعت پر اس گھر کا حج فرض ہے۔

اگرچہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ان ساری چیزوں پر ہم بحث کر چکے ہیں لیکن بالاجمال ہم یہاں بھی ان تینوں چیزوں کے ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں جن سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ درحقیقت یہی گھر حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ ہے اور یہی ملّت ابراہیمؑ کا مرکز ہے۔

'مقامِ ابراہیم' سے مراد

مقامِ ابراہیم سے مراد، جیسا کہ ہم نے تفسیر سورۂ بقرہ میں بدلائل واضح کیا ہے، یہ ہے کہ اسی مقام کو حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے بعد اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا، یہیں مروہ کے پاس اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی کی، یہیں ان کو بیت اللہ کی خدمت اور نماز کے اہتمام کے لیے بسایا اور یہیں ان سے نسبت رکھنے والی ایک پوری قوم صدیوں سے آباد ہے۔ یہ ساری باتیں خود تورات کے دلائل سے اس قدر قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں کہ کوئی صاحبِ انصاف ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

مکّہ امن کا شہر ہے

'وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا' سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس سرزمین میں اپنی اولاد کو بساتے ہوئے اس کے لیے امن کی جو دعا کی تھی یہ سرزمین اور یہ گھر اس دعا کی مقبولیت کا مظہر ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا قرآن میں یوں نقل ہوئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۳۵-ابراہیم)	اور جب کہ ابراہیمؑ نے دعا کی اے میرے پروردگار اس سرزمین کو امن کی سرزمین بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے محفوظ رکھ۔

یہ اسی دعا کی برکت ہے کہ شہر حرم کی سنّت قائم ہوئی اور اس گھر کے جوار میں آدمی تو درکنار کسی جانور کو

بھی ایذا پہنچانا جرم ٹھہرا۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ الآیہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس سرزمین اور اس گھر کے لیے مرجعیت کی جو دعا کی تھی اس کی مقبولیت بھی اس کے چپے چپے سے نمایاں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر قرآن میں یوں ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ	اے ہمارے رب، میں نے اپنی اولاد میں سے بعض
غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ	کو اسماعیل کو، ایک بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے
رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً	محترم گھر کے پاس بسایا، اے ہمارے رب تاکہ یہ
مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ	نماز قائم کریں تو تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔	دے اور ان کو پھلوں کی روزی دے کہ یہ تیری
(۳۷۔ ابرٰھیم)	شکرگزاری کریں۔

حج کی سنت

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت اس گھر کے لیے اعلان حج کی ملی تھی اس کی سنت بھی ان کے عہد سے لے کر آج تک چلی آرہی ہے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ	اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کے پاس
لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ	اس ہدایت کے ساتھ بسایا کہ میرا کسی کو شریک نہ
لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ	ٹھہرائیو اور میرے گھر کو طواف، قیام اور رکوع و
السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ	سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیو اور لوگوں میں
رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ	حج کی منادی کر دو وہ لوگ تمہارے پاس پیادہ اور
کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (۲۶-۲۷۔ حج)	لاغر اونٹنیوں پر تمام گہرے راستوں سے آئیں گے۔

ان تمام نشانیوں کے حوالے دینے سے مقصود، جیساکہ ہم نے اوپر اشارہ کیا اہل کتاب پر یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی گھر حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا اور ان کی ملت اور ان کی دعوت کا مرکز ہو سکتا ہے تو یہی مکہ کا بیت اللہ ہو سکتا ہے۔ اہل کتاب کی تمام تحریفی کوششوں کے باوجود آج بھی یہود کے صحیفوں میں ایسے اشارات و قرائن موجود ہیں جو اصل حقیقت کو کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ ان اشارات کی تفصیل کے لیے ہماری سورہ بقرہ کی تفسیر پڑھیے۔

حج کے بارے میں ایک تنبیہ

وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی ان تمام تفصیلات کے بعد بھی جو اہل کتاب اپنی ضد پر اڑے ہی رہ جائیں گے اور یہی دعویٰ کرتے رہیں گے کہ ملت ابراہیم وہی ہے جس پر وہ ہیں اور ملت ابراہیمؑ کا مرکز بیت المقدس ہے تو یہ لوگ اللہ کی آیات کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ حجت تمام کر دینے کے بعد اس بات سے بے پروا ہو جاتا ہے کہ کون کفر کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون ایمان کی۔

آیت کے اسی آخری ٹکڑے پر وہ حدیث مبنی ہے جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج سے بے پروا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پروا نہیں رہ جاتی کہ وہ یہودی ہو کے مرے گا یا نصرانی ہو کر۔ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے رویے میں درحقیقت یہود و نصاریٰ کی اس بے پروائی کا ایک عکس ہے جو انھوں نے بیت اللہ کے معاملے میں اختیار کی اور جس کے نتیجے میں وہ اپنا ایمان ہی گنوا بیٹھے۔

قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ۔ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا وَّ اَنۡتُمۡ شُہَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (۹۸ - ۹۹)

اب یہ اہل کتاب کو زجر اور ملامت ہے کہ اللہ کی جو نشانیاں ملّت ابراہیمؑ، بیت اللہ اور آخری رسول سے متعلق خود تمھارے اپنے صحیفوں میں موجود ہیں ان کو اور ان کے مصداق کو جان بوجھ کر کیوں جھٹلاتے ہو؟ اور لوگوں کے ذہن میں کیوں شبہات بھر رہے ہو؟ یہ بات تمھیں معلوم رہنی چاہیئے کہ اللہ اور اس کی آیات کے ساتھ یہ شرارت جو تم کر رہے ہو یہ گویا اللہ کی موجودگی میں کر رہے ہو اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جنھوں نے اللہ کی توفیق سے یہ راہ پالی ہے اب تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے ذہن میں شبہات پیدا کر کے ان کو کسی ایسے رُخ پر موڑ دو کہ ان کی ملی ہوئی راہ پھر گم ہو کر رہ جائے حالانکہ تم کو اللہ نے پہلے سے اس راہ پر اس لیے کھڑا کیا تھا کہ تم لوگوں کو رستہ بتاؤ گے لیکن تم نے شہداء اللہ ہو کر رہزنوں اور بٹ ماروں کا پیشہ اختیار کر لیا، یاد رکھو کہ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

۲۵۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۰۰-۱۰۹

یہاں تک خطاب کا اصلی رخ اہل کتاب کی طرف تھا، ان پر حجت تمام کر دینے کے بعد اب آگے کی آیت سے خطاب مسلمانوں سے ہو گیا ہے اور ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اہل کتاب کی بات مانی تو یہ تم کو پھر اسی کفر و جاہلیت کے گڑھے میں گرا کے رہیں گے جس سے نکل کر تم ایمان و اسلام کی روشنی میں آئے ہو۔

پھر اس عظیم نعمت کی قدردانی اور شکرگزاری کا احساس دلاتے ہوئے جو انھیں پیغمبرؐ اور قرآن کی شکل میں حاصل ہوئی ہے، اس طریقے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جس کو اختیار کر کے وہ ان فتنوں سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں جو اہل کتاب ان کو گمراہ کرنے کے لیے اٹھا رہے ہیں۔ ساتھ ہی اس اجتماعی نظام کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے جو اس ملّت کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ اس ملت کا انجام بھی وہی ہوگا جو اہل کتاب کا ہُوا ——— اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۱۰۰-۱۰۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ
تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۰
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا
تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ
يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ

ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

ترجمۂ آیات ۱۰۰-۱۰۹

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لوگے تو یہ تم کو تمھارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف پلٹا دیں گے، اور تمھارا کفر میں پڑنا کس طرح جائز ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جارہی ہیں اور تمھارے اندر اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑے گا تو وہی ہے جس کو صراط مستقیم کی ہدایت ملی۔ ۱۰۰-۱۰۱

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ہو اور اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور پراگندہ نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ کے اس فضل کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ۱۰۲-۱۰۴

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پراگندہ ہو گئے اور جنھوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات آچکی تھیں اور وہی ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ اس دن جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے تو اب

چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں۔ رہے وہ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمھیں حق کے ساتھ سنا رہے ہیں اور اللہ عالم والوں پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا، اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں۔ (۱۰۵-۱۰۹)

۲۶۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ (۱۰۰)

مسلمانوں کو اہل کتاب کے اشرار سے بچتے رہنے کی تاکید

فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ سے اہل کتاب کا وہی گروہ مراد ہے جس کی مخالفتوں اور وسوسہ اندازیوں کا اوپر تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ اہل کتاب میں ایک گروہ، جیسا کہ اوپر بھی ذکر گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے، اہل انصاف کا بھی تھا، اس وجہ سے قرآن نے جگہ جگہ اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ یہاں بھی مسلمانوں کو اہل کتاب کی وسوسہ اندازیوں اور خاکبازیوں سے بچتے رہنے کی جو تاکید فرمائی ہے تو تعین کے ساتھ اس گروہ کی طرف انگلی اٹھا دی ہے جس سے بچانا پیش نظر ہے۔ یہ انصاف کا بھی تقاضا تھا اور دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے بھی یہی بات مطابق حکمت و مصلحت تھی۔

اس آیت میں تنبیہ کا خاص پہلو یہ ہے کہ یہ ہیں تو اہل کتاب میں سے، اس وجہ سے ایک نیک نیت آدمی کو یہ حسن ظن ہو سکتا ہے کہ بھلا یہ دیندار لوگ کوئی گمراہی کی بات کس طرح سوچ سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کے ایسے پکے دشمن ہیں کہ جو مسلمان ان کی باتوں میں آجائے گا یہ اس کو پھر کافر بنا کے چھوڑیں گے۔

وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ۭ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۱۰۱)

فتنوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر

اعتصام کے معنی کسی شے کو مضبوطی سے پکڑنے اور تھامنے کے ہیں۔ اعتصام باللہ کے معنی اللہ کے احکام و ہدایات اور اس کی کتاب پر مضبوطی سے نرم و گرم ہر طرح کے حالات میں مخالفت و موافقت سے بے نیاز ہو کر قائم رہنا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو کفر و ارتداد ہر حالت میں انسان کی بدبختی اور اس کی شامت کی دلیل ہے لیکن آج تم نے اگر یہ راہ اختیار کی جب کہ اللہ کی آیات تمھیں سنائی جارہی ہیں اور خدا کا رسول تمھارے اندر موجود ہے تو یہ محرومی و بدبختی کی انتہا ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی اور اپنے لیے عذر کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ پھر اس قسم کی ٹھوکر سے بچنے کی تدبیر بتادی کہ اگر چاہتے ہو کہ تمھارے قدم جادۂ مستقیم پر استوار رہیں اور تمھارے مخالفین تمھیں ٹھوکر نہ کھلا سکیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کو مضبوط پکڑو، یعنی اللہ کی جو آیات و ہدایات تمھیں سنائی جارہی ہیں، انھیں حرزِ جان بناؤ اور تمام مخالفتوں اور تمام خاکبازیوں کے علی الرغم ان پر قائم و دائم رہو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (۱۰۲)

اعتصام باللہ کی حقیقت

یہ اعتصام باللہ کی حقیقت واضح فرمادی کہ اللہ کو مضبوط پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے اس طرح ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرتے رہنے کا حق ہے۔ یہ تقویٰ اگرچہ مطلوب تو اسی حد تک ہے جس حد تک بندے کی استطاعت میں ہے، اس کی وضاحت خود قرآن ہی نے فرمادی ہے کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (۱۶-تغابن) لیکن خدا سے ڈرنے اور دوسروں سے ڈرنے میں بڑا فرق ہے، اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ خدا سے ڈرتے رہو جس طرح خدا سے ڈرتے رہنے کا حق ہے۔ اول تو بندے پر خدا کے جو حقوق ہیں وہ کسی اور کے نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ خدا نے جو حدود و قیود قائم کیے ہیں اور ان کے توڑنے کی جو سزا مقرر کی ہے وہ تمام تر بندوں کی دنیوی و اخروی بہبود کے لیے کی ہے، ان کی پابندی سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بندوں ہی کو پہنچتا ہے۔ تیسری یہ کہ خدا کی آنکھیں ہر جگہ نگراں ہیں یہاں تک کہ وہ دلوں کے وسوسوں سے بھی باخبر ہے۔ چوتھی یہ کہ خدا کی پکڑ سے کوئی دوسرا بچا نہیں سکتا اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دے سکتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دے سکتا ہے۔ خدا سے ڈرنے میں جب تک بندہ ان تمام پہلوؤں کو مدنظر نہ رکھے وہ خدا سے ڈرنے کا صحیح مفہوم سمجھ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ وہ اس کا صحیح حق ادا کر پائے۔ بہت سے لوگ جو انسانوں سے ڈر کر خدا اور اس کی شریعت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کی بنیادی گمراہی یہی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی مخالفت اور خدا کے غضب میں فرق نہیں کر پاتے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ میں یہ لطیف حقیقت واضح فرمائی ہے کہ خدا سے یہ ڈرنا صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے یہ جدوجہد شروع ہوتی اور زندگی کی آخری سانس پر تمام ہوتی ہے۔ اگر آخری مرحلے میں بھی یہ تسلسل کہیں ٹوٹ گیا تو ساری عمر کی محنت برباد گئی۔ آیت کے اسلوب میں یہ بات بھی مخفی ہے کہ یہ راہ بہت ہموار نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سے نشیب و فراز اور ہر قدم پر اتار چڑھاؤ ہیں۔ اس میں آزمائشوں اور فتنوں سے دوچار ہونا ہوگا اور شیاطین کے شب خونوں اور معاندین کی دراندازیوں اور فسادانگیزی

سے سابقہ پیش آئے گا۔ کبھی طمع ورغلانے کے لیے عشوہ گری کرے گی، کبھی خوف دھمکانے کے لیے اپنے اسلحہ سنبھالے گا۔ جو ان سب مرحلوں سے اپنا ایمان واسلام بچاتا ہوا منزل پر پہنچا اور اسی حال میں اس نے جان، جان آفرین کے سپرد کی در حقیقت وہ ہے جو خدا سے اس طرح ڈرا جس طرح خدا سے ڈرنے کا حق ہے اور یہی ہے جس کو اعتصام باللہ کا مقام حاصل ہوا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۱۰۳)

'حبل اللہ' سے مراد

حبل کے معنی رسی کے ہیں، اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا مشہور شعر ہے۔

ولکنّی وصلت الحبل منہ مواصلۃ بحبل ابی بیان

"لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر۔"

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لیے کہ رسی جس طرح دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدہ کے مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ الا بحبل من اللہ وحبل من الناس (مگر اللہ کے اور لوگوں کے کسی معاہدے کے تحت) آیت زیر بحث میں حبل سے مراد قرآن ہے اس لیے کہ یہی ہمارے رب اور ہمارے درمیان ایک عہد و میثاق ہے۔ خدا کو مضبوطی سے پکڑنا ظاہر ہے کہ اپنے ظاہری مفہوم میں نہیں ہے اس لیے کہ خدا چھونے اور پکڑنے کی چیز نہیں۔ اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ ہم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہے۔ گویا اوپر والی آیت میں وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ جو فرمایا تھا وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ کے الفاظ سے اس کی وضاحت فرما دی۔

سلف میں سے قتادہ، سدّی، عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد اور ضحاک کی یہی رائے ہے۔ ابن جریر نے ابوسعید خدریؓ کے واسطے سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ ھو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تنی ہوئی ہے۔

'اعتصام بحبل اللہ' کا جامع مفہوم کیا ہے؟ مطلوب ہے

گویا یہی چیز ہے جو بندوں کو خدا سے جوڑتی ہے۔ جس نے اس کو تھام لیا، گویا خدا کو تھام لیا۔ سلف میں سے جو لوگ حبل اللہ کی تعبیر عہد اللہ سے کرتے ہیں وہ بھی درحقیقت حبل اللہ سے قرآن ہی کو مراد لیتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان معاہدہ کی حیثیت قرآن ہی کو حاصل ہے۔ قرآن اور دوسرے

آسمانی صحیفوں کو میثاق اور عہد سے اسی بنا پر تعبیر کیا گیا ہے۔ اس پر مفصل بحث سورۂ مائدہ میں آئے گی۔

مضبوط پکڑنے کے ساتھ ساتھ جَمِیْعًا کی تاکید اور وَلَا تَفَرَّقُوْا کی نہی نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ چیز جماعتی حیثیت سے مطلوب ہے۔ سب مل کر اس کو مضبوطی سے تھامیں۔ اسی حبل اللہ سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی ہوئی ہے، اس کو چھوڑ کر وہ اپنے شیرازے کو پراگندہ نہ کریں، اگر اس کے ساتھ تعلق میں ضعف پیدا ہو گیا، اس کی جگہ انھوں نے دوسری رسیوں کا سہارا لے لیا اور حق و باطل کے جانچنے کے اس سے الگ کچھ معیارات بنا لیے تو وہ بھی اسی طرح پراگندہ ہو جائیں گے جس طرح یہود و نصاریٰ پراگندہ ہو گئے۔

مسلمانوں کو ایک تنبیہ

اس کے بعد اس عظیم احسان کی یاد دہانی فرمائی ہے جو اس کتاب کے ذریعہ سے عرب قوم پر ہوا۔ اس کتاب کے نزول سے پہلے عرب کا ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا۔ ان میں باہم خونریز جنگیں برپا رہتی تھیں ان کے دیوتا الگ الگ اور ان کے اغراض و مفادات باہم متصادم تھے۔ لیکن اس حبل اللہ نے ان کو ایک رشتہ میں پرو کر ان کو موتیوں کی لڑی بنا دیا اور وہ جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے ایک دوسرے کے جگری دوست اور غمخوار بھائی بن گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس حالت کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس حبل اللہ کے ساتھ اپنی وابستگی کو برابر برقرار رکھو۔ اگر یہ رشتہ کمزور ہوا تو پھر وہی جاہلیت کی حالت لوٹ آئے گی، جس میں اس سے پہلے مبتلا تھے۔ تم تباہی کے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے۔ خدا نے تم کو اس سے بچایا ہے۔ اس کو چھوڑ کر پھر اسی گڑھے میں گرنے کا سامان نہ کر لینا۔

چونکہ یہ مقام بہت اہم ہے، جو ہدایات یہاں دی جا رہی ہیں وہ مسلمانوں کے مستقبل سے بڑا گہرا تعلق رکھنے والی ہیں، ان میں معمولی غلطی یا غلط فہمی بھی بڑے ہولناک فتنوں کے دروازے کھول سکتی تھی، اس وجہ سے یہاں، جیسا کہ اوپر کے سلسلۂ کلام سے واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات بڑی وضاحت سے بیان فرمائی ہیں تاکہ کسی گمراہی کے لیے کوئی وجہ باقی نہ رہے۔ اسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ (الآیۃ)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۳: ۱۰۴-۱۰۵)

خلافت کے قیام کا بنیادی مقصد

یہ امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور لوگوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں اور ان کے لیے امر و نہی کے جو

الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے۔ بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کے الفاظ کافی تھے يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (الآیہ) کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام تھا۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ اس امر کی نگرانی کرے کہ مسلمان اعتصام باللہ کے نصب العین سے ہٹنے نہ پائیں۔ اس کے لیے جو طریقے اس کو اختیار کرنے تھے وہ اصولی طور پر تین تھے۔ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ انہی تین سے خلافت راشدہ کے دور میں وہ تمام شعبے وجود میں آئے جو ملت کی تمام داخلی و خارجی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا ذریعہ بنے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا تعلق صرف اس مخصوص گروہ ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ اشارہ پوری امت کی طرف ہے کہ جو امت اعتصام باللہ کے لیے یہ اہتمام کرے گی وہی دنیا اور آخرت میں فلاح حاصل کرنے والی بنے گی۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے انجام سے مسلمانوں کو عبرت دلائی ہے کہ وہ خدا کی واضح تنبیہات کے باوجود خدا کی رسی چھوڑ بیٹھے اور پھر جس کے ہاتھ میں جو رسی آگئی وہ اسی کو حبل اللہ سمجھ بیٹھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے درمیان ایسے اختلافات پھوٹ پڑے جن کی اصلاح ناممکن ہوگئی۔ فرمایا کہ تم بھی انہی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی دنیا و عاقبت نہ برباد کر لینا۔ یہ فلاح کی راہ نہیں بلکہ عذاب الیم کی مستوجب ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۱۰۶-۱۰۹)

مسلمانوں کو چند تنبیہات

نظم کلام کی روشنی میں ان آیات پر غور کیجیے تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آئیں گے۔

اول یہ کہ اعتصام بحبل اللہ سے محروم ہو جانے کے بعد اہل کتاب اختلاف و انتشار میں مبتلا ہوئے اور یہ انتشار و اختلاف درحقیقت ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹ جانے کے ہم معنی ہے۔

دوم یہ کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ سرفرازی و سرخروئی بخشتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں خود اپنی رسی پکڑاتا ہے اگر وہ اپنی شامتِ اعمال سے اس رسی کو چھوڑ کر دوسرے پھندے اپنی گردنوں میں ڈال لیتے ہیں تو قیامت کے دن ان کو اسی درجے کی روسیاہی بھی حاصل ہوگی جس درجے کی ان کو سرخ روئی بخشی گئی تھی۔ چہرے روشن ان کے ہوں گے جو ہر طرح کے حالات میں اس رسی کو تھامے رہیں گے۔ یہ لوگ بے شک اللہ کے فضل و رحمت

کے حق دار ہوں گے۔

سوم یہ کہ یہ ساری تنبیہات بالحق ہیں یعنی ہر بات شدنی ہے۔ ان کو محض خالی خولی دھمکی سمجھ کر جو لوگ نظر انداز کریں گے وہ اپنی روسیاہی کا سامان خود کریں گے اور اس کی تمام تر ذمہ داری انھی پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی پہلے سے اسی لیے سنادی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو سزا اس پر حجت تمام کیے بغیر دے۔

چہارم یہ کہ آسمان و زمین میں سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ سارے امور اسی کے حضور پیش ہوں گے اور اسی کا فیصلہ ناطق و نافذ ہوگا۔ اگر کسی نے کسی اور سے امید باندھ رکھی ہو تو اس کی یہ امید محض ایک واہمہ ہے جو حقیقت کے ظہور کے بعد بالکل سراب ثابت ہوگی۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہ ساری تنبیہات مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہیں کہ ان تمام خطرات سے بچ کے رہنا۔

۲۷۔ آگے کا مضمون ــــــ آیات ۱۱۰-۱۲۰

اوپر کی تنبیہات کے اندر یہ حقیقت خود بول رہی تھی کہ اہل کتاب جس منصبِ امامت پر اب تک سرفراز رہے ہیں ہر پہلو سے وہ اس کے لیے نااہل ثابت ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اس منصب سے معزول ہوئے اور خدا نے یہ امانت اس امت کے سپرد فرمائی جو اس کی اہل ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ اب یہ اہل کتاب تمھاری مخالفت میں جتنا زور چاہیں لگالیں وہ تمھارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے بلکہ ہر جگہ منہ کی کھائیں گے اور ان کے لیے ذلت مقدر ہو چکی ہے۔

اثنائے کلام میں اہل کتاب کے اس گروہ کی تحسین بھی فرمائی ہے جو حق پر قائم تھا اور جو بالآخر دولتِ اسلام سے سرفراز ہوا۔

پھر اہل کتاب کی اصل بیماری کی طرف اشارہ ہے جو فی الحقیقت قبولِ حق میں ان کے لیے حجاب بنی اور یہ واضح فرمایا کہ اس حق سے محروم رہنے کے بعد اب وہ اپنی دینداری کا بھرم رکھنے کے لیے جو ظاہرداری بھی کریں گے سب اکارت جائے گی، اس کا کچھ حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ اب تم ان سے تمام تعلقات دوستی و محبت ختم کرو اس لیے کہ اب تمھارے لیے ان کے دلوں میں دشمنی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور ان کے اندر خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہی ہے ــــ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۱۰-۱۲۰

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿١١٠﴾
لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّآ أَذًى ۖ وَإِنْ يُقٰتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ۟ ثُمَّ
لَا يُنْصَرُونَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
يَقْتُلُونَ الْأَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾
لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُونَ اٰيٰتِ
اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسٰرِعُونَ
فِي الْخَيْرٰتِ ۗ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ
فَلَنْ يُّكْفَرُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلٰدُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۖ وَأُولٰٓئِكَ
أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي
هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوٓا
أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ
دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوٰهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ

بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۱/۳

ترجمۂ آیات ۱۱۰-۱۲۰

تم بہترین امت ہو، لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو، معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں، وہ تمھیں تھوڑی سی زبان درازی کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد بھی نہیں ہو گی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ بس اگر کچھ سہارا ہے تو اللہ اور لوگوں کے کسی عہد کے تحت۔ وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور ان پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں کیونکہ یہ نافرمان اور حد سے آگے بڑھنے والے رہے ہیں۔ ۱۱۰-۱۱۲

سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں ایک گروہ عہد پر قائم ہے۔ یہ رات کے وقتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت اور سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان

رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت
کرتے ہیں اور یہ لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں۔ جو نیکی بھی یہ کریں گے تو اس سے محروم
نہیں کیے جائیں گے اور اللہ خدا ترسوں سے باخبر ہے۔ ۱۱۳-۱۱۵

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کے مقابل میں
کام آنے والے نہیں۔ یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور وہ اسی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔
یہ جو کچھ اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں اس کی تمثیل ایسی ہے کہ کسی ایسی قوم کی کھیتی پر
جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو، پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو تباہ کر کے رکھ دے۔
اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔ ۱۱۶-۱۱۷

اے ایمان والو! اپنے سے باہر والوں کو اپنا محرم راز نہ بناؤ، یہ تمھیں نقصان پہنچانے
میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ تمھارے لیے زحمتوں کے خواہاں ہیں۔ ان کی عداوت
ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے
بھی سخت تر ہے۔ ہم نے تمھارے لیے اپنی تنبیہات واضح کر دی ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔
یہ تمھی ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو وہ تو تم سے دوستی نہیں رکھتے حالانکہ تم ساری کتاب پر
ایمان رکھتے ہو۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں اور
جب آپس میں ملتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں، کہہ دو تم اپنے غصے میں مر
جاؤ۔ اللہ سینوں کے بھید سے خوب واقف ہے۔ اگر تمھیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے
تو ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچ جاتا ہے تو اس سے خوش
ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی چال تمھیں کوئی نقصان نہ

پہنچا سکے گی۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ ۱۱۸-۱۲۰

۲۸۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۱۱۰)

'کان' یہاں تامہ ہے جس طرح كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا میں ہے۔ خَيْرَ اُمَّةٍ میں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ اب دین کی صحیح شاہراہ پر تمہی ہو۔ اللہ نے جو دین نازل فرمایا تھا، اہل کتاب نے اس میں کج پیچ کی راہیں نکال کر اصلی دین کو گم کر دیا۔ اب خلق کی رہنمائی کے لیے خدا نے تم کو کھڑا کیا ہے۔ اسی حقیقت کو سورہ بقرہ میں كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الآیہ) کے الفاظ سے واضح فرمایا ہے۔ وہاں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ امت چونکہ ٹھیک نقطۂ اعتدال اور وسط شاہراہ پر ہے اس وجہ سے یہ خیر امت ہے۔ لِلنَّاسِ میں ایک مضاف محذوف ہے یعنی لوگوں کی اصلاح، رہنمائی اور ان پر اللہ کے دین کی گواہی دینے کے لیے، جیسا کہ فرمایا ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

خیر امت کا منصب صفات کے ساتھ مشروط ہے

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یہ اس امت کے خیر امت ہونے کی دلیل بیان ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس لیے خیر امت ہو کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو، اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس منصب پر تم نسل و نسب کی بنا پر نہیں سرفراز ہوئے ہو، جیسا کہ اہل کتاب نے اپنی بابت گمان کیا، بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری نے تمھیں اس کا استحقاق بخشا ہے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ یہ منصب صفات اور ذمہ داریوں کے ساتھ مشروط ہے۔ کسی مخصوص گروہ کے ساتھ اللہ نے اس کو باندھ نہیں چھوڑا ہے کہ لازماً یہ اس کے ساتھ بندھا ہی رہے، اگرچہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا کے رکھ دے۔

ایمان ہر نیکی کی جڑ ہے

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصل بنیاد اللہ پر ایمان ہے۔ کسی کو جو کچھ بھی عزت و فضیلت اللہ کی نگاہوں میں حاصل ہوتی ہے وہ اسی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی معتبر وہی ہے جو ایمان باللہ کے ساتھ ہو۔ منبروں اور اسٹیجوں سے خدا پرستی اور دینداری کے جو وعظ کھوکھلے سینوں سے نکلتے ہیں ان کی حیثیت وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے علمائے یہود سے متعلق فرمایا ہے کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (کیا تم دوسروں کو نیکی اور تقویٰ کے وعظ سناتے ہو لیکن اپنے آپ کو بھول جاتے ہو)۔

فسق کا لفظ یہاں ایمان و اطاعت سے نکل جانے کے معنی میں ہے۔ اس کی تشریح ہم دوسرے مقام میں کرچکے ہیں۔

اس امت کے منصبِ امامت کا اعلان

نظم کے اعتبار سے یہ آیت، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں، اس امت کے منصبِ امامت کا اعلان ہے۔ اس سورہ کی تمہید میں اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ والی دعا کے ضمن میں ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ اس کے اندر اہل کتاب کی معزولی اور امتِ مسلمہ کی تقرری کا فیصلہ مضمر ہے۔ چنانچہ پوری تفصیل کے ساتھ یہود و نصاریٰ دونوں کی بدعہدیاں واضح کرچکنے کے بعد یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب خیرِ امت کے منصب کے حق دار یہ اہلِ ایمان ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ قرآن اور پیغمبرؐ پر ایمان لاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ 'بہتر ہوتا' کے الفاظ کے اندر جو ابہام و اجمال ہے یہ متکلم کے اس غضب کا غماز ہے جس کے متحمل الفاظ نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد باندازِ حسرت فرمایا کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود ان میں ایمان لانے والے تھوڑے نکلے اکثریت بدعہدوں اور نافرمانوں ہی کی نکلی۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (۱۱۱)

'اذیٰ' کا مفہوم

'اذیٰ' کے معنی دکھ اور تکلیف کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب ان کی جڑ کٹ چکی ہے، ان کے اندر اب اتنا دم نہیں ہے کہ تمھیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکیں۔ بس زیادہ سے زیادہ جو یہ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کچھ طعن و تشنیع، کچھ زبان درازی اور کچھ افترا پردازی و تہمت تراشی کر لیں۔ اس سے زیادہ کا حوصلہ ان کے اندر نہیں ہے۔ اور اگر یہ تم سے لڑنے کے لیے نکلے تو پیٹھ دکھائیں گے اور پھر ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کسی طرف سے بھی ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ بعد کے واقعات نے قرآن کی اس پیشین گوئی کی حرف بحرف تصدیق کر دی۔ یہی مضمون آگے اس طرح بیان ہوا ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا (۱۸۶) اور تم ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین کی طرف سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۱۱۲)

ذلت کی مار

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ یعنی جس طرح دیوار پر گیلی مٹی تھوپ دی جاتی ہے اسی طرح ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ انھوں نے عزت کی جگہ ذلت کی راہ اختیار کی تو ان پر پوری طرح ذلت مسلط کر دی گئی۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا سے اس ذلت کے احاطہ اور اس کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں کہیں بھی یہ ہیں ذلت ان پر مسلط ہے، یہاں تک کہ اپنے مرکز میں بھی یہ ذلیل و خوار ہیں۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں ان کو عزت حاصل ہو اور یہ اپنی کمر کے بل بوتے پر

کھڑے ہوں۔

اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ کا مفہوم

'اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ کہیں قائم ہیں تو اپنی سطوت و عزت کے اعتماد پر نہیں بلکہ یا تو اللہ والوں کے کسی معاہدے نے ان کو امان دے رکھی ہے یا اپنے پاس پڑوس کے قبائل سے انھوں نے کوئی اسی قسم کا سہارا حاصل کر رکھا ہے۔ یہ سہارے وقتی اور عارضی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً ان کے مختلف قبائل سے جو معاہدے کیے تھے ان کی عہد شکنیوں اور شرارتوں کی وجہ سے بعد میں وہ ختم کر دیئے گئے اور یہ یا تو اپنے جرائم کی پاداش میں قتل کر دیئے گئے یا جلاوطن کر دیئے گئے۔ دوسرے قبائل سے انھوں نے جو معاہدے کر رکھے تھے وہ قبائل بھی آہستہ آہستہ اسلام کے زیر اثر آ گئے تو وہ معاہدے بھی عملاً بے اثر ہو کر رہ گئے۔ جس درخت کی اپنی جڑیں کھوکھلی ہوں وہ تھونیوں کے سہارے آخر کب تک کھڑا رہ سکتا تھا۔ اس زمانے میں یہود کی نام نہاد سلطنت اسرائیل بھی، جیسا کہ ہم اس کتاب میں کہیں اشارہ کر چکے ہیں، اسی حکم میں داخل ہے۔ وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ امریکہ اور انگلستان کے سہارے پر کھڑی ہے اور جو چیز دوسرے کے سہارے کھڑی ہو اس کا کھڑا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ کا مفہوم

وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ کا مفہوم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ یہود کی شامتِ اعمال اور ان کی بدبختی کا بیان ہے کہ جہاں سے ان کو عزت و سرفرازی کی دولتِ دوجہاں لے کے لوٹنا تھا یہ اپنی دوں ہمتی کی وجہ سے وہاں سے خدا کا غضب لے کر لوٹے جس کے نتیجے میں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصبِ امامت و شہادت پر مامور فرمایا تھا۔ اگر یہ اس کی ذمہ داریاں ادا کرتے اور اپنے عہد پر استوار رہتے تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا مقام بہت اونچا تھا لیکن یہ اپنی دنیا پرستی اور پست ہمتی کی وجہ سے اس کی ذمہ داریاں نہ سنبھال سکے اور خدا کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔ یہ حقیقت یہاں پیش نظر رہے کہ جو مقام جتنا ہی اونچا ہوتا ہے اس کی چڑھائی اتنی ہی سخت ہوتی ہے اور پھر اسی اعتبار سے اس سے گرنے کا انجام بھی نہایت خطرناک ہوتا ہے۔

مسکنت کا مفہوم

وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ مسکنت سے مراد بے حوصلگی اور پست ہمتی ہے۔ قرآن نے اہل کتاب کی پست ہمتی کو نہایت حقیقت افروز تمثیلوں سے جگہ جگہ واضح فرمایا ہے۔ ان تمثیلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہود پر دنیا پرستی کا اتنا غلبہ تھا کہ آخرت کی طلب اور اس کے لیے ایثار و قربانی کا کوئی حوصلہ ان کے اندر باقی رہ ہی نہیں گیا تھا۔ وہ آخرت کے بڑے سے بڑے نسیہ کے لیے اپنی دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے نقد کو قربان کرنے کی بھی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کی اس بزدلی اور پست ہمتی پر بار بار ملامت کی ہے۔ بعد کے انبیاء نے بھی اس کا نوحہ کیا ہے۔ قرآن نے بھی جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ کتے والی تمثیل ان کی پست ہمتی ہی کی تمثیل ہے اور غور کیجیے تو معلوم

ہوگا کہ ان کی یہ پست ہمتی ہی تھی جس کے سبب سے وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر ذلت مسلط کر دی جائے۔

ذلت و مسکنت کے عذاب کا سبب

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ الآیہ۔ یہ علت بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں یہ ذلت، غضب اور مسکنت کے عذاب کے مستحق قرار پائے؟ فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا انکار اور انبیا کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ بلندی اور رفعت کا ذریعہ اللہ کی آیات ہیں۔ جو لوگ ان کا انکار کریں اور اس انکار کو اپنا شیوہ بنا لیں وہ اگر ذلت کے سزاوار نہ ہوں گے تو کس چیز کے ہوں گے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے اس تمثیل میں پیش کیا ہے جس میں فرمایا ہے کہ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے سے اس کو بلند کرتے لیکن یہ تو برابر زمین ہی کی طرف جھکا رہا۔ ایسا ہی معاملہ انبیا اور آمرین بالقسط کے قتل کا ہے۔ یہ انسانیت کے گل سرسبد ہوتے ہیں۔ انھی کے سہارے انسانیت سعادت اور کمال کے مدارج طے کرتی ہے۔ اگر کوئی گروہ ان کا قاتل رہا ہو تو وہ خدا کی طرف سے غضب اور ذلت کے سوا اور کس چیز کا حقدار ہو سکتا ہے؟

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ یہ سبب بیان ہوا ہے ان کے کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء کا یعنی نافرمانی اور حدودِ الٰہی سے تجاوز ان کی عادت رہی ہے۔ اسی چیز نے ان کو کفر اور قتل انبیا پر اکسایا بالآخر یہ جرائم ان کے لیے خدا کے غضب کا باعث ہوئے اور ان پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی۔

اجزا کی وضاحت کے بعد نظم کے پہلو پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اوپر کی آیت میں جو بات فرمائی گئی تھی، اس آیت میں اس کی دلیل بیان ہو گئی کہ بھلا وہ لوگ تمھارا کیا بگاڑ سکیں گے جن پر ہر جگہ خدا کی مار ہے اور جو اب تمھارے سہاروں ہی پر جی رہے ہیں۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ (۱۱۳-۱۱۵)

اہل کتاب کا باایمان گروہ

اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ، یعنی وہ گروہ جو اللہ کے عہد و میثاق اور اس کی شریعت پر قائم ہے۔ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ یعنی وہ شب کے اوقات میں کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ شب کی نماز و تلاوت ان کے عہد الٰہی پر قائم رہنے کا ثبوت ہے اس لیے کہ اس بے ریا نماز و تلاوت کی بے قراری انھی لوگوں کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جو اپنی عظیم ذمہ داری کا نہایت گہرا احساس رکھتے ہوں۔ نماز کی تعبیر سجود سے ایک تو اس پہلو سے ہے کہ سجدہ نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہے، دوسرے یہ خشیت اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر ہے، تیسرے اس پہلو سے بھی ہے کہ یہود نے، جیسا کہ ہم اس کتاب میں کہیں ذکر کر چکے ہیں، سجدہ کو اپنی نماز سے خارج کر دیا تھا۔

یہ اہل کتاب کے اس گروہ قلیل کا ذکر ہے جو اس اکثریت سے مستثنیٰ ہے جس کا حال اوپر والی آیت

میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا کہ سب اہل کتاب اسی طرح کے نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے بلکہ ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو اپنے عہد پر قائم، شب بیدار و تہجد گزار، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اس گروہ میں وہ لوگ بھی تھے جو علی الاعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جو اگرچہ ان آیات کے نزول کے وقت تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں کر سکے تھے لیکن اندر سے وہ بالکل مومن صادق تھے اور بالآخر وہ اسلام لائے۔ ان لوگوں کو قرآن نے صالحین و متقین میں شمار کیا ہے۔ یہ لوگ جو نیکی بھی کریں گے اس کے اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔ یہ اسلام میں آجانے کے بعد اپنی ان نیکیوں کا بھی پورا پورا اجر پائیں گے جو اسلام میں آنے سے پہلے انھوں نے کی ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر اس سورہ کے آخر میں فرمایا ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰہِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ (۱۹۹۔ آل عمران)

اور بے شک اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے اور جو ان کی طرف اتاری گئی ہے خدا سے ڈرتے ہوئے۔ یہ اللہ کی آیات کے عوض میں حقیر قیمت قبول نہیں کرتے یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا صلہ ہے۔ بے شک اللہ جلد حساب چکا دینے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَکَتْہُ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ [illegible]

کفر و شرک سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں

یہ ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو اوپر والے گروہ کے برعکس اپنے کفر پر اڑے رہ گئے۔ ان کے بابت فرمایا کہ جس مال و اولاد کی محبت نے انہیں خدا سے بے پروا کیا وہ ان کو خدا کی پکڑ اور دوزخ سے نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑیں گے اور اس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ اس دنیا کی زندگی میں اپنی رسمی دینداری کی نمائش کے لیے جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں، یہ خرچ کرنا بھی آخرت میں ان کے لیے کچھ سود مند نہیں۔ ان کے اس خرچ کی تمثیل اس کھیتی کی ہے جس پر پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو برباد کر کے رکھ دے۔ کفر و شرک کے ساتھ جو کام نیکی اور دینداری کی نوعیت کے کیے جاتے ہیں وہ سب اکارت جاتے ہیں۔ کفر و شرک ٹھنڈی آگ ہے جو ساری محنت کو راکھ کا ڈھیر بنا کے رکھ دیتی ہے۔ اوپر والی آیت میں بیان ہوا تھا کہ جو اہل کتاب اپنے ایمان پر قائم رہے اور قرآن کے نزول کے بعد قرآن پر بھی ایمان لائے ان کی پچھلی

نیکیاں بھی سب شرف قبولیت پائیں گی۔ اس آیت میں واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ نہ اپنے عہد پر قائم رہے نہ اسلام میں داخل ہوئے ان کا سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ الآیہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ یہ ظلم انھوں نے خود اپنے اوپر کیا ہے۔ درخت اپنی جڑ کے سلامت رہنے سے سلامت رہتا ہے۔ اگر درخت کی جڑ اکھاڑ دی جائے تو اس کی شاخوں اور اس کے پتوں پر پانی دینے میں خواہ کوئی کتنی ہی محنت اٹھائے اور کتنی ہی زحمت جھیلے سب بے سود ہے۔ اس کی محنت کی بربادی پر اگر قابل ملامت ہے تو وہ خود ہے نہ کہ قدرت اور قدرت کا قانون۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (۱۱۸ - ۱۲۰)

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً ' بِطَانَة لحاف وغیرہ کے استر کو کہتے ہیں۔ بطانۃ الرجل سے آدمی کے اہل و عیال اور اس کے خواص و محرمان راز مراد ہوتے ہیں[1]۔ 'خبال' کے معنی فساد اور بگاڑ کے ہیں لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا یعنی تمھارے اندر فساد پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ 'عنت' کے معنی مشقت، زحمت اور تکلیف کے ہیں۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ یعنی تمھارے لیے وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تمھیں اس راہ میں ٹھوکریں پیش آئیں اور تم زحمتوں میں پھنسو۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ سے مراد اسلام دشمنی کی وہ باتیں ہیں جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اہل کتاب سب کچھ گوارا کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کو کسی قیمت پر بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں چنانچہ قرآن نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ کھلم کھلا مشرکین تک کو بھی مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ ہدایت پر یہ ہیں۔ (هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا)

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ میں ضمیر خطاب ھا اور اولاء کے بیچ میں آگئی ہے۔ ھا درحقیقت تنبیہ کا کلمہ ہے اس وجہ سے جب اس پر زور دینا ہوتا ہے تو اہل عرب یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح ھا انا ذا بھی کہتے ہیں۔

---

[1] بطانۃ الرجل ولیجتہ الذی یکاشفہ باسرارہ ثقۃ بمودتہ۔ اقرب الموارد

اللہ کی پوری کتاب صرف قرآن ہے

تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ پر تفصیل کے ساتھ ہم سورۂ بقرہ میں بحث کر چکے ہیں۔ اصل میں پچھلے صحیفوں اور قرآن میں نسبت جزو اور کل کی ہے۔ اہل کتاب کو کتاب الٰہی کا صرف ایک حصّہ دیا گیا تھا۔ پوری کتاب کا دیا جانا آخری بعثت پر اٹھا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ اہل کتاب کے متعلق بار بار یہ الفاظ آتے ہیں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ۔ (کیا تم نے بھلا ان کو تو دیکھو جنھیں کتاب الٰہی کا ایک حصّہ دیا گیا) اللہ تعالیٰ کی پوری کتاب قرآن ہے، جس طرح اس کا پورا دین اسلام ہے۔ اس وجہ سے جب مسلمان قرآن پر ایمان لاتا ہے تو خدا کی پوری کتاب پر ایمان لاتا ہے، اس پر بھی جو پہلے اتری اور اس پر بھی جو بعد میں اتری۔ قرآن سب کا جامع ہے۔

وَاِذَا خَلَوْا یعنی جب وہ اپنی مجلسوں میں ہوتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بالکل اسی قسم کے سیاق میں فرمایا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ (اور جب یہ اپنے لیڈروں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو آپ کے ساتھ ہیں)

مسلمانوں کو اہل کتاب سے ہوشیار رہنے کی ہدایت

ان آیات میں مسلمانوں کو اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ آیت ۲۸ میں گزر چکی ہے: خطاب اگرچہ عام ہے لیکن پیش نظر، جیسا کہ ہم نے آیت ۲۸ کے تحت اشارہ کیا ہے، وہ مسلمان ہیں جو یا تو اپنی سادگی کی وجہ سے اہل کتاب کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتے نہیں تھے یا اپنی کمزوری کے سبب سے ان سے اپنے پچھلے روابط توڑنا نہیں چاہتے تھے درآنحالیکہ اس مرحلے میں اہل کتاب کے تعلقات کسی مسلمان کے ساتھ مخلصانہ نہیں رہ گئے تھے بلکہ جس حد تک بھی تھے محض سازشانہ اغراض و مقاصد کے لیے تھے۔ اس وجہ سے قرآن نے نہایت واضح الفاظ اور بالکل قطعی لب و لہجہ میں متنبہ کیا کہ اے ایمان والو اپنے سے باہر والوں کو اپنا محرم راز نہ بناؤ۔ یہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ اس بات کے خواہشمند نہیں ہیں کہ تمھیں تمھارے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو بلکہ یہ تمھارے لیے زحمتوں اور پریشانیوں کے آرزومند ہیں۔ ان کی دشمنی ان کی باتوں سے ہی ظاہر ہو چکی ہے لیکن دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے بھی کہیں زیادہ سخت و شدید ہے۔ فرمایا کہ ہم نے یہ بات اچھی طرح کھول کر سمجھا دی ہے۔ اب بھی اگر تم نہ سمجھے تو اس کا خمیازہ بھگتو گے۔

اس کے بعد غیرت دلائی ہے کہ تم تو ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو لیکن وہ تم سے ذرا محبت نہیں کرتے حالانکہ تم پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور تمام نبیوں پر ایمان لائے ہو اور وہ تمھاری کتاب پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب تم سے ملتے ہیں تو تمھیں دھوکا دینے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں[1]، اور جب اپنوں کے اندر ہوتے ہیں تو تم پر غصّے سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

اسی بیچ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان دانت پیسنے والوں کو مخاطب کر کے کہلا دیا کہ تم اسی غیظ و غضب کی بھٹی میں چاہو تو جل کر مر جاؤ لیکن تم اسلام کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

---

[1] اس کی وضاحت ہم سورۂ بقرہ میں کر چکے ہیں، وہاں دیکھیے۔

صبر اور تقویٰ کلید کامیابی ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اوپر والا سلسلۂ کلام پھر لے لیا اور فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو انھیں بڑا رنج ہوتا ہے اور اگر تمھیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی اور ان باتوں سے بچتے رہے جن سے بچتے رہنے کی تمھیں نہایت واضح ہدایات دے دی گئی ہیں تو ان کی چالیں تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی ساری سرگرمیوں اور ساری چالوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس آخری ٹکڑے کی مزید وضاحت کے لیے اسی سورہ کی آیات ۱۲۵ اور ۱۸۶ پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا کے تحت ابن جریرؒ کا ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں جس تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اس میں سب سے مقدم لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ کی ہدایات پر عمل ہے یعنی کفار کو اپنا محرم راز بنانے سے احتراز۔

۲۹۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۲۱-۱۲۹

اب آگے ان واقعات و حالات پر تبصرہ ہے جو غزوۂ احد کے موقع پر پیش آئے اور یہ سلسلۂ بیان سورہ کے آخر تک چلا جائے گا۔ ہم اس سورہ کے تمہیدی مباحث میں واضح کر چکے ہیں کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی اپنی ہی ایک جماعت کی بے تدبیری سے جو شکست پیش آئی اس نے اسلام اور کفر کی اس کشمکش سے تعلق رکھنے والے ہر گروہ پر کسی نہ کسی پہلو سے اثر ڈالا۔ مسلمانوں میں جو لوگ کمزور تھے وہ اس حادثہ سے بددل ہو گئے اور ان کی اس بددلی سے منافقین نے فائدہ اٹھا کر ان کے دلوں میں اسلام، اسلام کے مستقبل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مختلف قسم کے وسوسے بھرنے شروع کر دیے۔ یہود کو بھی اس حادثے سے بڑی شہ ملی، وہ از سر نو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم ہو گئے۔ قریش کو بدر کی شکست سے جو ضرب پہنچی تھی اس کا زخم بھی گویا اس واقعہ سے مندمل ہو گیا اور وہ پھر یہ حوصلہ کرنے لگے کہ اسلام کو زک پہنچائی جا سکتی ہے۔

یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ احد کے واقعات پر تبصرہ کر کے ان تمام غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو اس موقع پر مخالفین، ذہنوں میں پیدا کر رہے تھے۔ ساتھ ہی یہ بہترین موقع تھا اس بات کے لیے کہ مسلمانوں کی کمزوریوں اور غلطیوں پر گرفت کی جائے اور آئندہ ان کو ان سے احتراز کرنے کی ہدایت کی جائے تاکہ یہ امت کمزوریوں سے پاک ہو کر اس منصب کی ان ذمہ داریوں کی صحیح طور پر اہل ہو سکے جس پر كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ والی آیت میں اس کو سرفراز کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب اس سورہ میں بات یہاں تک پہنچی کہ تمھی غالب اور فتح مند رہو گے اور تمھارے مخالفوں کی کوئی چال بھی تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی بشرطیکہ تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو تو بہترین موقع گویا احد کے واقعات پر تبصرہ کر کے یہ دکھایا گیا کہ صبر اور تقویٰ کے پہلو سے وہ کیا خامیاں ابھی جماعتی زندگی میں موجود تھیں جو اس فساد کا باعث ہوئیں اور اس سے انفرادی اور اجتماعی اصلاح و تزکیہ کے کیا کیا سبق ملتے ہیں۔

اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۲۱-۱۲۹

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾ الربع وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع ۹

ترجمۂ آیات ۱۲۱-۱۲۹

اور یاد کرو جب کہ تم اپنے گھر سے نکلے مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کرنے کے لیے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۱۲۱۔

جب کہ تم میں سے دو جماعتوں نے حوصلہ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا حالانکہ اللہ ان کا

مددگار تھا۔ اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ اہلِ ایمان بھروسہ کریں۔ اور اللہ نے تو تمھاری مدد بدر میں بھی کی جب کہ تم نہایت کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اس کے شکر گزار رہ سکو۔ ۱۲۲۔۱۲۳

یاد کرو کہ جب تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمھارے لیے کافی نہیں ہے کہ تمھارا رب تین ہزار تازہ دم فرشتوں سے تمھاری مدد فرمائے؛ ہاں اگر تم ثابت قدم رہو گے اور بچتے رہو گے اور وہ تمھارے اوپر بھی آ دھمکے، تو تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد فرمائے گا، جو اپنے خاص نشان لگائے ہوئے ہوں گے۔ ۱۲۴۔۱۲۵

اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمھارے لیے بشارت اور تاکہ تمھارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، اور مدد نہیں آتی مگر خدائے غالب و حکیم ہی کے پاس سے، تاکہ اللہ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا انھیں ذلیل کر دے کہ وہ خوار ہو کر لوٹیں۔ ۱۲۶۔۱۲۷

تمھیں اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، خدا ان کی توبہ قبول کرے یا انھیں عذاب دے۔ کیونکہ وہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۱۲۸۔۱۲۹

۳۰۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱۲۱)

بَوَّاَ، يُبَوِّئُ کے معنی ٹھہرانا، ٹکانا، مقیم کرنا، مامور کرنا۔ مقاعد، مقعد کی جمع ہے جس کے معنی بیٹھنے کی جگہ کے ہیں لیکن وسیع استعمال میں اس کے معنی گھات لگانے کی جگہ کے بھی ہو سکتے ہیں اور قرینہ موجود ہو جیسا کہ یہاں ہے تو اس سے جنگ کا مورچہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔

یہ آیت تمہید ہے اس تبصرے کی جو جنگ اُحد کے واقعات اور ان سے پیدا شدہ اثرات پر آگے آ رہا

غزوۂ احد کے واقعات پر تبصرہ

ہے۔ یہ جنگ چونکہ ابھی تازہ تازہ ہوئی تھی، اس وجہ سے ہر شخص کے سامنے تھی۔ نام لیے بغیر بھی اس کے واقعات کی طرف اشارہ کر دینا کافی تھا۔ لیکن یہ تبصرہ چونکہ بعض ایسے حالات و اثرات پر بھی تھا جن کے بعض گوشے بعض پارٹیوں کی درپردہ سازشوں سے تعلق رکھنے والے تھے یا ان کا تعلق ذہنی و قلبی تصورات و تاثرات سے تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات - سمیع و علیم - کا حوالہ دے کر تمہید ہی میں سب کو تنبیہ کر دیا کہ اس تبصرے پر کسی کے لیے چون و چرا، رد و قدح اور بحث و تردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ یہ تبصرہ اس کی طرف سے ہے جو سب کچھ جانتا سنتا ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کہا ہے سب کچھ بے خطا سمع و علم پر مبنی ہے۔

إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (۱۲۲-۱۲۳)

'فشل' کا مفہوم

'فشل' کے معنی ہمت ہار دینے اور حوصلہ چھوڑ دینے کے ہیں۔ جنگ میں اصل اہمیت حوصلہ و ہمت کو حاصل ہے، اسلحہ اور دوسری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے سب سے پہلے بعض جماعتوں کی اس کمزوری پر گرفت فرمائی۔

'اذلۃ' کا مفہوم

'اذلۃ' ذلیل کی جمع ہے۔ ذلیل عزیز کا متقابل لفظ ہے۔ عزیز کے معنی ہیں غالب، زور آور اور دوسروں کی دسترس سے باہر۔ ذلیل کے معنی کمزور، ناتوان اور دوسروں کے لیے نرم تر کے ہیں۔ اخلاقی رذالت اس لفظ کے بنیادی اجزا میں سے نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم بعیدہ میں سے ہے۔ چنانچہ یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ (۵۴۔ مائدہ) (وہ مسلمانوں کے لیے نہایت نرم اور کافروں کے لیے نہایت سخت ہیں) یعنی اگر کفار ان کے اندر انگلی دھنسانا اور ان کو اپنے اغراض کے لیے نرم کرنا چاہیں تو وہ پتھر کی چٹان ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے نہایت نرم خو ہیں۔ وہ ان سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آیت زیر بحث میں بھی یہ لفظ مسلمانوں کی صرف اس وقت کی عددی و مادی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں اخلاقی ضعف و ذلت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

منافقین کی ایک شرارت

آیت میں جن دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے، مفسرین کے بیان کے مطابق، وہ قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس کے بنو حارثہ ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے اندر منافقین کی شرارت کی وجہ سے کچھ بزدلی پیدا ہوئی لیکن پھر وہ سنبھل گئے۔ منافقین درحقیقت اس جنگ کے لیے نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس کمزوری کا اندازہ تھا۔ چنانچہ آپ نے یہ چاہا کہ نکلنے سے پہلے صحیح صورت حال سامنے آجائے۔ اس کے لیے امتحاناً آپ نے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال رکھا کہ قریش کا مقابلہ مدینہ کے اندر سے کیا جائے یا باہر نکل کر؟ اس کا جواب سچے اور پکے مسلمانوں کی طرف سے تو ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا ہے کہ باہر نکل کر، چنانچہ انھوں نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ یہی جواب دیا۔ لیکن منافقین نے مدینہ میں محصور ہو کر

مقابلے کی مصلحتیں سمجھانے کی کوشش کی۔ آنحضرتؐ نے جب صورتِ حال کا اندازہ کر لیا، منافقین کی کمزوری
آپ پر واضح ہو گئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے دل میں تھا اور جس کا اظہار آپ کے جاں نثار ساتھیوں نے
کیا تھا۔ منافقین نے جب دیکھا کہ ان کی یہ سازش ناکام ہو گئی تو وہ نکلنے کو تو مسلمانوں کے ساتھ نکلے، لیکن نکلنے
کے بعد ان کے لیڈر ابن اُبَیّ نے ان کو ورغلایا اور اس چیز کو بہانہ بنا کر کہ اس کے مشورے کی قدر نہیں کی گئی،
راستے میں تین سو آدمیوں کے لشکر کے ساتھ الگ ہو گیا۔ اس واقعہ سے قدرتی طور پر مسلمانوں کی بعض جماعتوں
کے حوصلے پر اثر پڑا اس لیے کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار کفار کے مقابلے میں کل ایک ہزار تھی۔ ایک ہزار آدمیوں
میں سے تین سو آدمیوں کا عین موقع پر فرار ظاہر ہے کہ ایک اہم حادثہ تھا جس سے کمزور طبائع کا اثر لینا
قدرتی امر تھا۔

خدا اہل ایمان کا کارساز ہے

قرآن نے اس کمزوری پر گرفت کی اور فرمایا کہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں اللہ ان کا مددگار
اور کارساز ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان خدا کی مدد اور اس کی کارسازی پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔
جب خدا ساتھ ہے تو منافقوں اور بزدلوں کی کوئی جماعت ساتھ چھوڑ بھی دے تو اس سے کیا بنتا بگڑتا ہے۔

واقعہ بدر کی یاددہانی

ایمان اور توکل کا تقاضا واضح کرنے کے بعد بدر کے واقعہ کی بھی یاددہانی فرما دی کہ جب تمھاری
عددی قلت اور مادی بے سروسامانی کے باوجود بھی کل خدا نے تمھاری مدد فرمائی اور تمھیں شاندار فتح دی تو اس
خدا سے کیوں مایوس ہوتے ہو۔ وہ آج بھی تمھارا حامی و ناصر اور ولی و کارساز ہے۔

تقویٰ کا لفظ وسیع معنوں میں

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" میں تقویٰ کا لفظ جیسا کہ ہم آیت ۱۲۰ کے تحت اشارہ کر چکے ہیں،
اپنے وسیع معنی میں ہے۔ یعنی ایمان اور توکل اور خدا کو ولی اور کارساز ماننے کے تقاضے کے خلاف بزدلی اور
بے ہمتی کی راہ اختیار کرنے سے بچو۔ خدا کی شکرگزاری کا صحیح حق ادا کرنے کے لیے یہ تقویٰ ضروری ہے۔ جو
لوگ عزم و ہمت سے خالی ہوں گے وہ شیطان سے ہر قدم پر مار کھائیں گے اور حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار
کر لیں گے۔ ایسے لوگ خدا کی شکرگزاری کا حق ادا نہ کر سکیں گے۔

إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ إِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَأْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ
اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (۱۲۴-۱۲۵)

مُسَوِّمِیْن کا مفہوم

"مُسَوِّمِیْن" ــ "سومة" "سیمة" سے ہے جس کے معنی علامت اور نشان کے ہیں الخیل المسومة،
ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جن پر نشان لگے ہوئے ہوں۔ فرشتوں کے لیے مسومین کی صفت سے اس امر کا اظہار
مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خاص اہتمام کے ساتھ اس مہم کے لیے بھیجے گا اور وہ خاص اس جنگ کے لیے
اپنے امتیازی نشان اور بیج لگائے ہوئے ہوں گے۔

یہ اس بات کا حوالہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا حوصلہ بحال کرنے کے لیے اس وقت فرمائی

جب عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں میں، جیسا کہ اوپر والی آیت میں ذکر ہے، اس سے بددلی پھیلی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تین سو آدمی الگ ہو گئے تو کیا ہوا؛ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین سو کمزور اور پست ہمت آدمیوں کی جگہ تین ہزار تازہ دم اتارے ہوئے فرشتوں کے ذریعے سے تمہاری مدد فرمائے؟ "اتارے ہوئے" سے مقصود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اسی کارِ خاص کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ دم کمک کے طور پر آسمان سے اتارے جائیں گے

بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تائید ہے۔ آپ نے جو امید مسلمانوں کو دلائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے بھروسے پر دلائی تھی کہ یہ تین سو آدمیوں کی کمی تین ہزار فرشتوں سے پوری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس بات کی تائید فرما دی اور اپنے فضل سے اس پر دو ہزار فرشتوں کا اور اضافہ فرما دیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا، اگر تم ثابت قدم رہے اور خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ جنگ اُحد کے واقعات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا فرمایا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائی حملے میں کفار کو اچھی طرح تہ تیغ کیا اور ان کو شکست دے دی لیکن شکست دے چکنے کے بعد ان کی ایک جماعت نے کمزوری دکھائی اور رسولؐ کی صریح ہدایت کے خلاف مالِ غنیمت کی طمع میں ایک نہایت اہم مورچہ خالی چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حاصل کی ہوئی فتح صبر و تقویٰ کی کمزوری کے سبب سے شکست میں تبدیل ہو گئی۔ آگے اسی سورہ میں اس بات کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ	اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جب کہ
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى	تم خدا کے حکم سے ان کافروں کو تہ تیغ کر رہے تھے
اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى	یہاں تک کہ تم نے کمزوری دکھائی اور تعمیلِ حکم میں
الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ	اختلاف کیا۔ اور اس وقت نافرمانی کی جب کہ خدا
اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ	نے تمہیں تمہاری محبوب چیز — فتح — دکھا دی۔
يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ	تم میں کچھ دنیا کے طالب ہوئے اور کچھ آخرت کے،
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ	تو خدا نے تمہارا رخ ان سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائش
عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ (۱۵۲)	میں ڈالے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ (۱۲۶-۱۲۷)

جَعَلَهُ میں ضمیر کا مرجع وہ وعدۂ نصرت ہے جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے جو تمہاری مدد کا خاص طور پر وعدہ فرمایا تو یہ اس لیے کہ یہ

تمہارے لیے بشارت کا باعث ہو اور تمہیں مخالفین ومنافقین کے رویے سے جو بددلی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔ اگر یہ بشارت نہ بھی اترتی جب بھی اہل ایمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ فتح ونصرت ہمیشہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ عزیز وغالب ہے جس کو چاہے فتح وغلبہ عطا فرمائے، اور حکیم بھی ہے اس وجہ سے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس آیت پر مزید بحث ہم سورۂ انفال میں کریں گے۔

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا الآیۃ۔ یہ مقصد بیان ہوا ہے اس موقع پر خاص اہتمام کے ساتھ حوصلہ افزائی کا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اس جنگ میں یا تو قریش کی قوت بالکل پامال ہو جائے اور وہ ذلیل وخوار ہو کر واپس ہوں یا کم از کم ان کی طاقت کا ایک حصّہ ٹوٹ جائے۔

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (۱۲۸-۱۲۹)

آنحضرت کو تسلی

یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات کی نوعیت کی ہے۔ اس جنگ کے سلسلے میں منافقین نے جو روش اختیار کی اور اپنی روش سے جو اثر دوسرے مسلمانوں پر انھوں نے ڈالا اس کی طرف اشارہ اوپر گزرا۔ قدرتی طور پر اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا ہو گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اس معاملے میں نہ تم کو کوئی دخل ہے اور نہ اس کی تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ تم نے اپنا فرض کما حقہٗ انجام دے دیا۔ اب اگر کوئی گروہ خود اپنی جان پر ظلم ڈھاتا ہے تو اس کا غم تم کیوں کرو۔ اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ کرو۔ وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا یہ توبہ کریں گے اور وہ ان کو معاف کرے گا۔ اور اگر وہ اس کے اہل نہ ہوں گے تو ان کو سزا دے گا۔ آسمان وزمین کا سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ آخر میں اپنی صفاتِ غفور رحیم کا حوالہ دے کر یہ ظاہر فرما دیا کہ خدا غفور رحیم ہے۔ اس وجہ سے اگر وہ کسی کو سزا دے گا تو اسی وقت دے گا جب وہ اس کو سزا کا مستحق پائے گا۔

۳۱۔ آگے کا مضمون ــــ آیات ۱۳۰-۱۴۳

آگے کی آیات میں پہلے اسی جہاد کے تعلق سے جس کا ذکر ہوا انفاق پر ابھارا ہے، پھر اُحد کی شکست سے جو بددلی پیدا ہوئی تھی اس کو دور کرنے کے لیے اس کی بعض حکمتیں اور مصلحتیں واضح فرمائی ہیں تاکہ جن مسلمانوں کے اندر کچھ افسردگی پیدا ہو گئی ہے ان کے اندر از سر نو انفاق وجہاد کی حرارت پیدا ہو جائے۔ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن سیاق وسباق دلیل ہے کہ روئے سخن خاص طور پر انھی مسلمانوں کی طرف ہے جن سے اس جنگ کے دوران میں کوئی کمزوری صادر ہوئی تھی، یا جنگ کے نتیجہ نے ان کے ذہن پر کوئی برا اثر ڈالا تھا۔ گویا اس جنگ نے بہت سی طبیعتوں کے اس میل کچیل کو اوپر ابھار دیا تھا جو اب تک اندر دبا ہوا تھا اور اب وقت آ گیا تھا کہ اس کو دھو کر صاف کیا جائے۔ چنانچہ اب آگے کا سلسلۂ بیان زیادہ تر اسی نوعیت کا ہے۔ یہ گویا

تزکیہ و تطہیر کے باب کا ایک حصّہ ہے۔

انفاق کے مضمون کا آغاز سود کی ممانعت کے ذکر سے کیا ہے اس لیے کہ سود خوری اور انفاق میں نسبت ضدین کی ہے۔ قرآن میں یہ اسلوب بہت استعمال ہوا ہے کہ جب ایک چیز بیان ہوتی ہے تو بالعموم اس کے ضد کا بھی اس کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں بھی انفاق کے ذکر کے ساتھ سود کی حرمت کا ذکر ہوا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ بقرہ میں سود کی حرمت کا ذکر انفاق کے بعد ہے، اور اس سورہ میں انفاق سے پہلے۔ ان دونوں اسلوبوں کے الگ الگ فوائد ہیں، لیکن اس مسئلے پر بحث کے لیے یہ مقام موزوں نہیں۔ یہاں نظمِ کلام کی وضاحت کے لیے بس اتنی بات یاد رکھیے کہ انفاق کے حکم سے پہلے سود سے روکنے کی بات بالکل ایسی ہی ہے جس طرح سچ بولنے کی ہدایت سے پہلے جھوٹ سے باز رہنے کی تاکید کی جائے۔ سود اور انفاق کے تعلق پر سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس موقع پر ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۳۰-۱۳۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿١٤١﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١٤٣﴾

ع ۱۴ ۵

ترجمہ آیات ۱۳۰-۱۴۳

اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار ہے۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ۱۳۰-۱۳۲

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے لیے مسابقت کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کی طرح ہے یہ پرہیز گاروں کے لیے تیار ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو کشادگی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں، غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ یہ لوگ جب کسی کھلی برائی